Fikr-o-Nasar (Islamabad) 40-41:4,1 (2003)

فکر و نظر--- اسلام آباد جلد:۴۰-۴۱ شمارہ:۴،۱

بین الاقوامی اسلامی قانون
ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ کی تحریروں کے تناظر میں

ڈاکٹر محمد ضیاء الحق ☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد حمیداللہ بنیادی طور پر قانون کے طالب علم تھے اور انٹرنیشنل لاء ان کے مطالعہ کا خصوصی مرکز تھا۔ جب ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے سیرت طیبہ اور احادیث رسول ﷺ کا مطالعہ شروع کیا تو ان کی توجہ سیرت طیبہ سے مستنبط علمُ السیر یعنی بین الاقوامی اسلامی قانون پر مذکورہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے علمی ڈگریوں کے حصول کے لیے جو بھی مقالات تحریر کئے ان سب کا تعلق بین الاقوامی اسلامی قانون سے ہی تھا۔ جامعہ حیدر آباد دکن میں لکھا گیا ان کا مقالہ Muslim Conduct of State۔ سور بون یونیورسٹی پیرس میں ڈاکٹریٹ کے لیے لکھا گیا مقالہ Documents sur La diplometic Musullmnae'e'epoqe du Prophete at de Khiliphes. یعنی **مجموعة الوثائق السياسية فی العهدالنبوی والخلافة الراشده** اور جرمنی میں اسلامی قانون میں غیر جانبداری سے متعلق لکھا گیا مقالہ Die Neutralitate in Islamischan Voelkerrecht orthodoxes بنیادی طور پر بین الاقوامی اسلامی قانون کے ہی موضوعات ہیں۔ ان مقالات کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی دوسری تحریروں اور کتابوں میں بھی جا بجا بین الاقوامی اسلامی قانون جسے وہ قانون بین الممالک کا نام دیتے ہیں کے متعلق Modern international law کی ترتیب اور اصطلاحات کے مطابق مباحث ملتے ہیں ۔ذیل میں بین الاقوامی اسلامی قانون سے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے دلائل و براھین کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر،چیئرمین شعبہ اسلامک لاء، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

1۔ بین الاقوامی اسلامی قانون کا تعارف

1.1) بین الاقوامی اسلامی قانون کی تعریف

بین الاقوامی اسلامی قانون کی تعریفوں میں اس قانون کے مختلف پہلوؤں مثلاً موضوع قانون ، دائرہ کار مصادر اور نوعیت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہیں[1]۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ بین الاقوامی اسلامی قانون کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "The part of law and custom of the land and treaty obligations which a Muslim *de-facto* or *de-juro* state observes in its dealings with other *de-facto* or *de-juro* states"[۲]

کسی علاقے کے قانون ، رسم و رواج اور معاہدات وغیرہ کے وہ التزامات جن کی ایک de-facto یا de-juro اسلامی ریاست کسی دوسری de-facto یا de-juro ریاست کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے پابندی کرتی ہے۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

> "We have emphasized the point that what a Muslims state accepts as such is the Muslim International Law."[۳]

ہم اس نقطے پر زور دے چکے ہیں کہ بین الاقوامی تعامل کے وہ (قواعد و ضوابط) جنھیں اسلامی ریاست قبول کر چکی ہو وہ بین الاقوامی اسلامی قانون ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی اس رائے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بین الاقوامی اسلامی قانون وہ قانون ہے جو اسلامی ریاست کی خواہش پر مبنی ہے اور شریعت اسلامیہ اس کی منظوری (Sanction)دیتی ہے۔ نجیب الأرمنازی نے بین الاقوامی اسلامی قانون کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

> "مجموع القواعد التی یتعین علی المسلمین التمسک بها فی معاملة غیر المسلمین محاربین او مسالمین سواء کانوا اشخاصا ام کانوا دولا وفی دار الإسلام ام فی خارجها و قد یدخل فی جملة هذه القواعد احوال

المرتدين والبغاة و قطاع الطريق"(۵)

"اس سے مراد قواعد کا وہ مجموعہ جس پر مسلمانوں کے لیے غیر مسلم محاربین اور مسالمین کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے عمل کرنا لازمی ہے۔ یہ اشخاص بھی ہو سکتے ہیں اور مملکتیں بھی۔ دارالإسلام کے اندر سے بھی اور دارالإسلام سے باہر بھی۔ اس مجموعہ میں مرتدوں باغیوں اور ڈاکوؤں سے متعلق قواعد بھی شامل ہیں"۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بین الاقوامی اسلامی قانون کی تعریف کرتے ہوئے جن نکات کا اجمالاً ذکر کیا ڈاکٹر نجیب الأرمنازی اپنی تعریف میں ان کی تفصیل بیان کر دی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحریر سے استنباط کرتے ہوئے محمد طلعت الغنیمی نے بین الاقوامی اسلامی قانون کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"The sum total of rules and practices which Islam ordains or tolerates in International relations"(٦)

"قواعد اور تقالید کا وہ مجموعہ جسے اسلام بین الاقوامی تعلقات میں لاگو کرتا ہے یا انہیں قابل قبول قرار دیتا ہے۔"

1.2) بین الاقوامی اسلامی قانون کے لیے فقہاء کی اصطلاح

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خیال میں اسلام سے پہلے عربوں کے ہاں بین الاقوامی امور کی انجام دہی کے قواعد و ضوابط ان کے عرفی قانون Customarary Law کا حصہ تو تھے لیکن ان کے ہاں اس کے لیے کوئی الگ سے قانونی نظام نہیں تھا۔ جب مسلمانوں نے ایک ریاست قائم کی اور اس ریاست کا ایک قانونی نظام قائم ہوا تو اس نظام کے اس حصہ کو جس کا تعلق جنگ صلح اور غیر جانبداری کے معاملات سے تھا "السیر" کا نام دیا گیا(۷)۔

(الف)۔ السیر کی لغوی تعریف

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ السیر کے لغوی معنی طرز عمل، طرز زندگی اور روایت کے ہیں اور انہی معنوں میں مختلف مصنفین نے اسے استعمال کیا ہے(۸)۔ ان معنوں میں استعمال کی اہم مثال رسول اللہ ﷺ کی ایک روایت ہے جو ابن ہشام (م ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء) سے مروی ہے۔ اس روایت میں ہے:

"**ثم امر بلالاً (م ۲۰ھ/ ۶۴۱ء) أن يدفع اليه اللواء فدفعه اليه فحمد الله وصلى على**

نفسه ثم قال: خذه یا ابن عوف (م ۳۲ھ/۶۵۲ء) اغزوا جمیعاً فی سبیل الله فقاتلوا من کفر بالله ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولیداً ولا امرأة فهذا عهدالله وسیرة نبیه فیکم"[9]

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ پرچم ان کے حوالے کر دیں حضرت بلال نے پرچم حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا آپ ﷺ نے اللہ کی حمد بیان کی اور اپنے پر درود بھیجا اور پھر فرمایا اے ابن عوف اس پرچم کو تھام لو اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کرو جو اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ حد سے تجاوز مت کرو اور نہ ہی وعدہ خلافی کرو۔ مردوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ ہی عورتوں اور بچوں کو قتل کرو۔ یہ اللہ کا عہد ہے اور اس کے نبی کی تمہارے لیے سیرت ہے۔"

ابن حبیب (م ۲۴۵ھ/۸٦۰ء) نے سیر کا لفظ سابقہ بادشاہوں کے رویے اور طرز حیات کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"**وکانوا یصنعون فیها و یسیرون فیها بسیرة الملوک بدومة الجندل.**"[10]

"اور وہ اس ضمن میں لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے اور اس برتاؤ میں دومۃ الجندل کے بادشاہوں کی سیرت کی پیروی کرتے تھے۔"

امام احمد بن حنبل نے المسند میں ایک روایت نقل کی ہے۔ اس روایت میں بھی یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس روایت کے الفاظ میں ہے:

"**واستخلف ابوبکر فعمل بعمله وسار بسیرته ثم استخلف عمر سار بسیرتهما**"[11]

"رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر نے خلافت سنبھالی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق کام کیا اور ان کی سیرت کی پیروی کی۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر دونوں کی سیرت کی پیروی کی۔"

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں سیر کی اصطلاح فقہاء کے ہاں بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے اگرچہ صدر اسلام سے ہی استعمال ہو رہی تھی۔ لیکن اس اصطلاح کو قانونی شکل امام ابو حنیفہ نے دی۔ انہوں نے جنگ و صلح کے نام سے جو لیکچرز دیئے وہ ان کے شاگردوں نے مدون کر دیئے۔ انہی مدون شدہ ذخیروں میں سے جو ہم تک پہنچے ہیں امام محمد بن الحسن الشیبانی (م ۱۸۴ھ/۸۰۴ء) کی

"کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر" بھی شامل ہیں۔ امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ/۷۷۴ء) نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی۔ وہ کتاب اگرچہ ہم تک نہیں پہنچی تاہم اس کتاب پر لکھی گئی تنقیدی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی جو کہ امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ/۷۹۹ء) نے تحریر کی ہے، ضرور ہم تک پہنچی ہے۔ امام شافعی نے اپنی کتاب الأم میں بھی امام اوزاعی کی السیر کے حوالے دیئے ہیں۔ڈاکٹر صاحب واضح کرتے ہیں کہ ان فقہاء کی تحریروں کی موجودگی میں السیر کی اصطلاح ایک معروف قانونی اصطلاح کی صورت میں متد اول ہو گئی ہے[۱۲]۔

(ب) السیر کی اصطلاحی تعریف

امام السرخسی (م ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء) نے السیر کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

"اعلم ان السیر جمع سیرة و بہٖ سمی هذا الکتاب لأنه بین فیهٖ سیرة المسلمین فی المعاملة مع المشرکین من اهل الحرب و مع اهل العهد منهم من المستأمنین وأهل الذمة و مع المرتدین الذین هم اخبث الکفار بالانکار بعد الأقرار و مع اهل البغی الّذین حالهم دون حال المشرکین و ان کانوا جاهلین و فی التأویل مبطلین."[۱۳]

"جان لیجئے کہ السیر کی جمع سیرت ہے اور اسی نام سے یہ کتاب موسوم ہے کیونکہ اس کتاب میں مسلمانوں کی اس سیرت کا بیان ہے جو انہوں نے اھل حرب میں سے مشرکین اور اہل عقد میں سے مستأمنین، ذمیین اور مرتدین (جو کہ سب سے بدترین کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اقرار کے بعد انکار کیا ہے) اور باغیوں (جن کا حال مشرکین کا سا ہے کیونکہ وہ جاھل ہیں اور غلط تأویل میں مبتلا ہیں) سے معاملات طے کرتے ہوئے اختیار کی۔"

1.3) السیر کی اصطلاح کی رسول اللہ ﷺ سے مناسبت

اگرچہ فقہاء نے السیر سے مراد مسلمانوں کا بین الاقوامی قانون لیا ہے لیکن مؤرخین کے نزدیک السیر سے مراد رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا بیان ہے۔ امام رضی الدین سرخسی (م ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء) کہتے ہیں کہ السیر کی اصطلاح جب موصوف کے بغیر استعمال ہو تو اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں:

"فی عرف الشرع متی اطلق یراد بہٖ طریقة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مغازیهٖ

علی الخصوص و لھذا قال علیه الصلاۃ والسلام لکل نبی حرفة و حرفتی الجھاد و انما جعل رزقی تحت ظل رمحی۔''(۱۴)

''السیر کی اصطلاح شرع میں مطلقاً رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور خاص طور پر آپ کے جنگوں کے اسلوب کے لیے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا ایک پیشہ ہے اور میرا پیشہ جہاد ہے اور میرا رزق نیزے کے سائے تلے ہے''۔

السیر کے مفہوم سے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی پیش کردہ آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ السیر کے لغوی معنی رویے اور طریقے کے ہیں۔ اس اصطلاح کا استعمال جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے بیان کے لیے ہوا اور بعد میں رسول اللہ ﷺ کی عمومی زندگی کو بیان کرنا بھی سیرت کہلایا جانے لگا اور چونکہ بین الاقوامی تعلقات کو منظّم کرنے والے اسلامی قوانین سیرت رسول اللہ ﷺ سے ہی مستنبط ہیں۔ اس لیے ان کے لیے فقہ اسلامی میں السیر کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

1.4) بین الاقوامی قانون کے لیے مغربی اصطلاح

انگریزی میں بین الاقوامی قانون کو International Law کہا جاتا ہے جب کہ فرانسیسی میں اسے Droit des gens کہا جاتا ہے۔ بین الاقوامی قانون کی مختلف مغربی تعریفوں میں موضوع قانون۔ اس سے متعلقہ اشخاص اور اس کی قوت نافذہ جیسے عناصر کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بین الاقوامی قانون کی تعریف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ

''یہ قوانین کا وہ مجموعہ ہے جو ممالک کے درمیان تعلقات کو منظّم کرتا ہے اور ان کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔''(۱۵)

''ڈاکٹر حمید اللہ اور بعض دوسرے ماہرین کے نزدیک ''بین الاقوامی قانون سے مراد وہ قانونی ضابطے ہیں جو ممالک اور بین الاقوامی شخصیات کے باہمی تعلقات کو منظّم کرتے ہیں۔''(۱۶)

ایک اور رائے کے مطابق بین الاقوامی قانون سے مراد وہ قانونی نظام ہے جو بین الاقوامی معاشرے یا متعین بین الاقوامی گروہوں کے درمیان تعلقات کو منظّم کرے(۱۷)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ رائے دی ہے کہ بین الاقوامی قانون کی بجائے بین الممالک قانون کی اصطلاح زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ قانون ممالک کے درمیان تعلقات کو منظّم کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی

تعریفوں سے ظاہر ہے لیکن یورپ میں چونکہ علاقائی وطنیت کے زیر اثر نیشن اسٹیٹ (Nation State) کا تصور بہت عام اور مقبول ہوا اس لیے قوم اور ملک دونوں اصطلاحیں عملاً مترادف بن کر رہ گئیں اور بین الاقوامی اور بین الممالک کا ایک ہی مفہوم ہو گیا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ چونکہ یہ قانون قوموں کے مسائل کے مقابلہ میں ملکوں کے تعلقات سے زیادہ بحث کرتا ہے۔ اس لیے اس کے لیے موزوں تر نام قانون بین الممالک ہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں کچھ اور حضرات کی رائے میں اس قانون کا بنیادی موضوع اقوام ہیں۔ اس لیے اس کا نام بین الاقوامی قانون ہونا ہی زیادہ مناسب ہے[۱۸]۔

درج بالا آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ قانون بین الممالک یا بین الاقوامی قانون سے مراد مخصوص طریقے سے مخصوص قواعد کو مد نظر رکھتے ہوئے قوموں اور ممالک کے درمیان تعلقات کی سرانجام دہی ہے ۔ پوری دنیا میں قوموں اور ملکوں کے درمیان تعلقات کو انجام دینے کے لے ضروری نہیں کہ کوئی ایک قانون یا نظام ہو۔جیسا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے یہ ہے کہ قوموں کے درمیان تعلقات کو منظّم کرنے کے لیے پوری دنیا میں ایک سے زیادہ نظام رہے ہیں اور موجودہ بین الاقوامی قانون بھی جو کہ یورپی بین الاقوامی قانون سے ماخوذ ہے پوری دنیا کا منظور کردہ واحد عالمی قانون نہیں ہے[۱۹]۔

1.5) السیر کی اصطلاح کا بین الاقوامی قانون International Law کی اصطلاح سے تقابلی جائزہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور دوسرے ماہرین کی تعریفوں سے واضح ہوتا ہے کہ بین الاقوامی اسلامی قانون سے مراد مسلمانوں کے قانون کا وہ حصہ ہے جس کی مسلمان ریاستیں دوسری ریاستوں سے معاملات کی تنظیم میں پابندی کرتی ہیں[۲۰]۔ جب کہ بین الاقوامی قانون سے مراد وہ ضوابط ہیں جو قوموں اور ملکوں کے درمیان تعلقات کو منظّم کرتے ہیں اس لحاظ سے دونوں کے مفہوم میں مطابقت نظر آتی ہے لیکن السیر کی تعریف میں صراحت اور وسعت زیادہ ہے۔ اور یہ خاص طور پر مسلمانوں کے لیے قانون ہے اور اس کی خلاف ورزی مذہبی احکام کی خلاف ورزی تصور کی جاتی ہے جب کہ بین الاقوامی قانون سے مراد کسی خاص مذہب کے ماننے والوں کے قواعد و ضوابط نہیں بلکہ اس سے مراد وہ قواعد ہوتے ہیں جنھیں کم و بیش تمام قوموں اور ملکوں کے لوگوں نے باہمی اور عالمی معاہدات کے تحت تسلیم کیا ہوا ہو۔ موجودہ بین الاقوامی قانون کی بنیاد اگرچہ یورپی قانون پر ہے جو کہ عیسائیت سے متأثر ہے اور شروع میں یورپ کے علاوہ کسی اور ملک وقوم کو اس قانون کا Subject تسلیم نہیں کیا جاتا تھا[۲۱]۔

لیکن بعد میں اس قانون کا دائرہ کار آہستہ آہستہ تمام دنیا کے ممالک تک وسیع ہو گیا اور اس کی بین الاقوامی حیثیت نمایاں ہو گئی۔

1.6) بین الاقوامی اسلامی قانون کا دائرہ کار

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بین الاقوامی اسلامی قانون کے دائرہ کار اور اس سے متعلقہ امور کی تفصیلی وضاحت کی ہے ان کے خیال میں بین الاقوامی قانون کے Subjects سے مراد وہ شخص یا اشخاص ہیں جن پر یہ قانون براہ راست فرائض اور حقوق متعین کرتا ہے۔ جن اشخاص کے لیے یہ قانون حقوق و فرائض کا تقرر کرے انہیں Legal personalities (قانونی شخصیات) کہا جاتا ہے۔ کوئی قانونی نظام کسی بھی شخص ادارے، تنظیم ملک یا قوم کو Legal Personality قرار دے سکتا ہے[۲۲]۔

ڈاکٹر صاحب نے درج ذیل کو بین الاقوامی اسلامی قانون کے Subjects قرار دیا ہے۔

الف۔ ایسی خود مختار ریاستیں جن کے دوسری ریاستوں سے تعلقات ہیں۔

ب۔ ایسی نیم خود مختار ریاستیں جنھیں بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

ج۔ ایسے باغی گروہ جو کسی علاقہ پر قبضہ کر کے وہاں ریاستی امور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

د۔ قزاق، راہزن اور ڈاکو۔

ہ۔ اسلامی ریاست میں مقیم غیر ملکی باشندے (مستأمن)

و۔ غیر مسلم ریاستوں میں مقیم مسلمان۔

ر۔ سفارتی نمائندے

ز۔ اسلامی ریاست میں مقیم مراعات یافتہ غیر مسلم (Privileged Non Muslim) اہل الذمۃ

س۔ بین الاقوامی تنظیمیں جیسے اقوام متحدہ، عرب لیگ اور کامن ویلتھ وغیرہ۔

ش۔ ویٹیکن سٹی اسٹیٹ جس کے ساتھ مسلمان ممالک کے سفارتی تعلقات ہیں۔

اسلامی ریاست کے ان Subjects کے ساتھ تعلقات دوستانہ بھی ہو سکتے ہیں، غیر دوستانہ بھی اور غیر جانبدارانہ بھی۔ ان تمام قسم کے تعلقات کو منظّم کرنے کے لیے اسلامی قانون راہنمائی فراہم کرتا ہے[۲۳]۔

1.7) بین الاقوامی اسلامی قانون کی غرض و غایت

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بین الاقوامی اسلامی قانون کی غرض و غایت کی وضاحت کرتے ہوئے یہ رائے

پیش کرتے ہیں کہ اسلامی قانون کی پابندی انسان کی نہ صرف دنیاوی زندگی کو خوشگوار بنا دیتی ہے۔ بلکہ اس کی اخروی زندگی کی کامیابی کی ضمانت بھی بن جاتی ہے[۲۴]۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَن يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَالَه' فِي الأٰخِرَةِ مِن خَلٰقٍ0 وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَاءَ اٰتِنَا فِيْ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِيْ الأٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ0 أُولٰئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾[۲۵]

(بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اوراللہ تعالی جلد حساب لینے والا ہے۔)

ڈاکٹر صاحب بین الاقوامی اسلامی قانون کا یہ وصف بیان کرتے ہیں کہ اس میں روحانی تقاضوں کی تسکین بھی قانون پرعمل درآمد سے ہوتی ہے۔ اس قانون پر صرف اس لیےعمل کرنا ضروری نہیں کہ یہ بالا دست طاقت کا فرمان ہے بلکہ خالص اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اس پرعمل کرنا زیادہ اساسی اور بنیادی چیز ہے[۲۶]۔

2۔ بین الاقوامی اسلامی قانون کا تاریخی ارتقاء

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خیال میں بین الاقوامی اسلامی قانون کی ترقی میں صرف عربوں کا ہی حصہ نہیں ہے بلکہ ایران، شام، مصر اور ترکی وغیرہ کے باشندوں نے بھی اس قانون کی نشوونما میں حصہ لیا ہے۔ ان علاقوں میں اسلام سے پہلے ایرانیوں اور رومیوں کی حکومتیں تھیں‌اس لیے بین الاقوامی اسلامی قانون کے تاریخی ارتقاء کو جاننے سے پہلے بین الاقوامی قانون کی قدیم تاریخ کا مطالعہ مفید ہو گا۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بین الاقوامی اسلامی قانون کے ارتقاء سے متعلق اہم آراء ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

2.1) بین الاقوامی قانون کی قدیم تاریخ

قدیم ترین زمانے سے انسانی گروہوں نے یہ کوشش کی کہ ان کے دوسرے انسانی گروہوں کے ساتھ تعلقات ہوں۔ اور ان کے درمیان اتصال کے مختلف طریقے ہوں چنانچہ اسی غرض کے لیے بین

الاقوامی ضابطے وضع ہوئے۔ ان منظّم ضابطوں کی تاریخ قوموں کی تاریخ سے کم اہم نہیں ہے۔ ان کا استعمال تخلیق ارض کے وقت سے شروع ہوا ہے اور اس کے اختتام تک جاری رہے گا(۲۷)۔ قدیم ترین قوم ایروکیز Iroqueis جو کہ جنگی قیدیوں کو کھا جاتے تھے کے ہاں بھی بین الاقوامی قانون کے ضابطے ملتے ہیں وہ سفارت کاری کرتے تھے اور جنگ و صلح کے حقوق سے آگاہ تھے۔ اگرچہ ان کے ضابطے عدل و انصاف پر مبنی نہ تھے(۲۸)۔

بین الاقوامی قانون کے تاریخی ارتقاء کا سب سے بڑا مشاہدہ بحرابیض متوسط Mediterranean نے کیا ہے کیونکہ جن بڑی تہذیبوں نے بین الاقوامی قانون کے ارتقاء میں حصہ لیا ہے ان کی اکثریت بحر متوسط کے ارد گرد ہی آباد تھی۔ مصر، شام، قرطاج، یونانی اور یمنی تہذیبیں اسی کے کناروں پر پروان چڑھیں۔

تاریخی مصادر ان معاہدات کی تفاصیل پیش کرتے ہیں جو ۱۲۹۲ ق۔م اور ۱۲۲۵ ق م میں مصر کے بادشاہ رؤسیس دوئم (Rauses-II) اور جنوبی شام کی بادشاہت Hittites کے درمیان ہوئے۔ ان معاہدات کو قدیم ترین سفارتی دستاویزات کی حیثیت حاصل ہے(۲۹)۔

۱۹۳۷ میں جب مصر ورلڈ لیگ کا ممبر بنا تو ترکی کے نمائندے نے اپنے استقبالیہ خطاب میں اس قدیم معاھدے کا ذکر کیا جو کہ مصر کے ایک قدیم مقبرہ کی دیواروں پر Hittite زبان میں لکھا ہوا پایا گیاہے(۳۰)۔

قرآن کریم میں ملکہ سبا (تقریباً ۹۴۰ ق۔م) اور اللہ کے رسول سلیمان علیہ السلام کے درمیان سفارتی وفود کے تبادلہ کا ذکر ملتا ہے۔ ملکہ سباء کے متعلق قرآن پاک روایت کرتا ہے:

﴿وَ إِنّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرجِعُ المُرْسَلُونَ﴾(۳۱)

(میں انہیں ایک ھدیہ بھیجنے والی ہوں، پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں)

جب سفارتی وفد حضرت سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے ملکہ سباء کے تحائف قبول نہیں کئے تاہم ان کے سفراء کو بحفاظت واپس جانے کی اجازت دے دی۔ قرآن کریم بیان کرتا ہے:

﴿ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾(۳۲)

(ان کی طرف لوٹ جاؤ ہم ان پر ایسے لشکروں سے چڑھائی کرنے والے ہیں۔ جس کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں ہے اور ہم انہیں وہاں سے ذلیل و پست کر کے نکال دیں گے)

ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے بین الاقوامی قانون کی رو سے وفود کو احترام اور امان حاصل تھی۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ اسلام نے ملکہ سبأ سے مخالفت کے باوجود ان کے وفود کو کچھ نہیں کہا اور انہیں بحفاظت واپس جانے کی اجازت دے دی[۳۳]۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ استنباط کرتے ہیں کہ یونانی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یونان کی شہری ریاستوں نے اپنے درمیان تنازعات کو دور کرنے اور یونانیوں کے مسائل کے حل کے لیے قواعد و ضوابط وضع کئے ہوئے تھے۔ یونانی ریاستوں کی زبان اور دین ایک ہی تھا اس طرح انہیں آپس کے تعلقات کو منظّم کرنے میں آسانی تھی اور انہوں نے روابط کو منظّم کرنے کے لیے Herald کا سفارتی منصب ایجاد کیا تھا۔ اس منصب کے حاملین کو خاص حقوق حاصل تھے[۳۴]۔

یونانی بین الاقوامی ضابطے صرف یونانیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہی تھے۔ وہ غیر یونانیوں کو باربارین Barbarian کہتے تھے ارسطو نے اس ضمن میں کہا کہ

"Nature intended barbarians to be slaves"[۳۵]

اگرچہ یونانی بین الاقوامی قانون میں یونانیوں کو اپنے درمیان نرم رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن کسی غیر یونانی کے لیے اس قسم کا کوئی حق نہ تھا[۳۶]۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بین الاقوامی قانون کے متعلق رومن لاء کے قواعد کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگرچہ رومیوں نے سیاسی طور پر یونانیوں کو فتح کر لیا تھا لیکن فکری طور پر وہ یونانیوں کے مفتوح ہو گئے تھے۔ رومیوں نے بین الاقوامی تعلقات کو منظّم کرنے کے لیے ایک ادارہ (Fetials) منظّم کیا۔ رومی قوانین کے مطابق جس ریاست کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات نہ ہوتے ان کے باشندوں میں سفراء کے علاوہ باقیوں کو غلام بنانا اور ان کی جائیداد چھین لینا جائز اور درست تھا۔ جب رومی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تو ان میں سے مشرقی رومی ریاست جو کہ بیزنطینی سلطنت کے نام سے معروف ہو گئی کے بادشاہ جسٹینین نے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے ایک سال پہلے فوت ہوا[۳۷]۔ قوانین کا ایک مجموعہ مدون کروایا جو Justinian Codes کے نام

سے معروف ہو گیا۔ اسی قانونی ضابطے کے تحت بیزنطینی سلطنت کی مفتوح ریاستوں مصر، شام وغیرہ کے ساتھ تعلقات منظّم کئے جاتے تھے۔ اس میں Private International Law کے متعلق واضح ہدایات موجود تھیں۔ مگر جنگی معاملات کو کمانڈروں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا[۳۸]۔

2.2) اسلام سے قبل عربوں کا بین الاقوامی قانون

چونکہ عربوں کے ہاں بین الاقوامی اسلامی قانون کا آغاز ہوا اس لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی تحریروں میں جزیرۃ العرب کی قبل از اسلام قانونی حالت کا تفصیلاً جائزہ لیا ہے۔

البلاد العربیة سے مراد وہ علاقے ہیں جو کہ زمانہ قدیم سے ہی عربیۃ Arabia کے نام سے موسوم ہیں[۳۹]۔ اور ہر وہ انسان جو ان علاقوں میں مقیم ہوا اور اس نے ان کی زبان بولی اسے عربی کہا جاتا ہے[۴۰]۔ جزیرۃ العرب کی سرحدیں روم و فارس کی سلطنتوں سے ملتی تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں نے کئی عرب علاقوں میں اپنی نو آبادیات قائم کی ہوئی تھیں۔ ان نو آبادیات میں رومیوں اور ایرانیوں کے قوانین نافذ تھے۔ قدیم عرب قبائل یا تو بدوی تھے یا پھر شہری تھے۔ شہری قبائل کی اپنی شہری مملکتیں City States تھیں۔ ان مملکتوں کی حکمرانی اپنی قانونی حدود Jurisdiction تک محدود تھی۔ اگرچہ ان کی ایک ہی زبان تھی۔ کم و بیش عبادت کے معاملات بھی یکساں تھے اور رسم و رواج میں بھی یکسانیت تھی لیکن ان ریاستوں کا اقتدار اعلی مختلف تھا اور اسی اقتدار اعلی کے ساتھ عربوں کی وفاداریاں تھیں۔ عربوں کی ان شہری ریاستوں کی شہریت کی بنیاد عام طور پر رشتہ داریاں تھیں۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے خیال میں اگرچہ عربوں کی ذہانت کے نتیجے میں انجینیر نگ کے شاہکاروں اورعظیم الشان عمارتوں کی تعمیر تو نہیں ہوئی لیکن ادب وشعر کےعظیم خزانے ضرورتشکیل پائے۔ یمن وغیرہ کی ریاستوں اور عمان اور بحرین کی نو آبادیات میں البتہ انجنیر نگ کے شاہکاروں کا ثبوت ضرور ملتا ہے[۴۱]۔

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں عرب کی شہری ریاستوں کے ساتھ ساتھ خانہ بدوش قبائل کو بھی سیاسی اور قانونی شخصیت کا درجہ حاصل تھا۔ سیاسی خودمختاری میں وہ دوسروں سے کم نہ تھے۔ ان کا علاقہ (Territory) جو کہ اگرچہ قابل تغیر تھا لیکن موجود تھا۔ ان کی سیاسی تنظیم بھی موجود تھی اور وہ آزاد ریاستوں کی طرح جنگ وصلح کے معاملات بھی طے کرتے تھے۔

قدیم عربوں کے ہاں خارجہ تعلقات کی تنظیم کا ادارہ ان کی حکومتوں میں بہت اہم تھا جیسا کہ

مکہ کی ریاست میں یہ وظیفہ قبیلہ بنی عدی کے ذمہ تھا اور اس قبیلہ کے فرزند حضرت عمر بن الخطاب اسلام لانے سے پہلے بطور سفیر قریش دوسرے لوگوں سے مذاکرات کیا کرتے تھے[۴۲]۔

عربوں نے سفارت کاری کے ذریعے کئی مفید معاہدات بھی کئے تھے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ہاشم بن عبد مناف نے شام روم اور غسان کے بادشاہوں کے ساتھ تجارتی معاہدات کئے تھے اور ان کے دو مشہور تجارتی سفر' سردیوں کا سفر شام کی طرف (رحلۃ الشتاء) اور گرمیوں کا سفر (رحلۃ الصیف) حبشہ کی طرف معروف تھے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ہاشم نے قیصر روم سے ملاقات کی۔ جب قیصر ہاشم کی گفتگو سے متاثر ہواتو ہاشم نے اس سے درخواست کی کہ :

> ''**ایها الملک إن لی قوم هم تجار العرب' تکتب لهم کتابات یؤمنهم و یؤمن تجارتهم حتی یأتوا بما یستطرف من إدم الحجاز و ثیابه ففعل قیصر ذلک' وانصرف هاشم.**''[۴۳]
>
> ''شہنشاہ محترم میری قوم عرب تاجروں پر مشتمل ہے۔ آپ ان کے لیے امان پر مبنی ایسی تحریر لکھ دیں جس سے ان کو حجاز کے علاقہ سے یہاں تک امان حاصل ہو جائے۔ قیصر نے ایسا ہی کیا اور ہاشم وہاں سے لوٹ آیا۔''

عربوں نے اس قسم کے معاہدات کے لیے عبدالشمّس بن عبد مناف کو نجاشی اور عبدالمطلب بن عبد مناف کو حمیر کے بادشاہوں کی طرف روانہ کیا تھا[۴۴]۔

عربوں کے قبل از اسلام بین الاقوامی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بین الاقوامی معاھدات کے متعلق ان کے رسم و رواج کی بھی وضاحت کی ہے ان کے نقطہ نظر کے مطابق عربوں کے بین الاقوامی قوانین میں اشہر حرام اور احلاف کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ حلف الفضول جس میں خود رسول اللہ ﷺ شریک ہوئے اس کی اہم مثال ہے۔ ایلاف جو کہ قریش مکہ کی ایجاد ہے کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ قبائلی اتحاد اور امان کے علاوہ ان کے ہاں جوار کا تصور بھی موجود تھا۔ معاہدات کے انعقاد کے وقت ان کے ہاں تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ شراب میں خون ڈال کر پینا اور معاہدہ کے بعد آگ جلانا جسے ''نار الحلف'' کا نام دیا جاتا تھا' جیسی رسمیں بھی ان تقریبات میں شامل تھیں۔ معاہدات کو تحریر کر کے ان کے اجزاء کر لیے جاتے تھے اور فریقین معاھدہ کا علیحدہ علیحدہ حصہ اپنے پاس لے جاتے تھے تاکہ معاہدات میں کوئی تبدیلی نہ کر سکے حلف اور جوار کے مواقع پر ان کے اقوال اس طرح ہوتے تھے؛

''دمی دمک و هدمی هدمک' أی ما هدمت من اندماء' هدمته أنا' اسی طرح ان کے
ہاں مشہور تھا۔ بل اللدم اللدم والھدم الھدم.''(۴۵)

عربوں کے ہاں بین الاقوامی تعلقات کے حوالہ سے ضیافۃ اور تحکیم کے ادارے بھی موجود تھے۔ ان کے ہاں سفراء کو امان حاصل تھی اور ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ السرخسی لکھتے ہیں؛

''فإن الرسول آمن من جانبين' هكذا جرى الرسم فى الجاهلية والإسلام فإن أمر الصلح أو القتال لاتلتئم إلا بالرسول ولا بد من أن يكون الرسول آمنا ليتمكن من اداء الرسالة.''(۴۶)

''سفراء کو دونوں طرف سے امان حاصل ہے یہ قانون جاہلیت میں بھی تھا اور اسلام نے بھی اسے جاری رکھا کیونکہ جنگ یا امن کے معاملات ان کے بغیر طے نہیں پا سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سفیر کو امان ہو تا کہ وہ پیغام پہنچا سکے۔''

بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ قبل از اسلام عربوں کے رسم و رواج میں ہمیں اعلان جنگ' دشمن کے جان و مال سے سلوک' جنگی قیدیوں کے متعلق قواعد' مال غنیمت کی تقسیم' سفراء کے حقوق اور اسی طرح کے دوسرے معاملات کے متعلق قواعد و ضوابط ملتے ہیں(۴۷)۔

2.3) انسانی معاشرت کی بین الاقوامیت میں اسلام کا کردار

(الف) رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کا عالمی نظام

ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے اپنی تحریروں میں بڑی تفصیل سے انسان کے بین الاقوامیت کی طرف سفر میں اسلام کے کردار کی وضاحت کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہونے کے باوجود نسل انسانی قدیم زمانے میں معاشی ضرورتوں کے لیے منتشر ہوتی رہی۔ یہ منتشر گروہ الگ الگ بستیوں شہروں اور ملکوں میں رہنے لگے۔ یہ نسل انسانی جب منتشر ہو گئی تو اسے اپنے مرکز سے تعلق رکھنے کی ضرورت یا موقع کم ہی پیش آیا۔ ایک تو ذرائع نسل انسانی کی کمی تھی دوسرا مقامی جگہ پر ہی لوگوں کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں۔ آج کل کی طرح لوگ ایک دوسرے کے محتاج نہ تھے۔ قدیم زمانے میں بین الاقوام اور بین الممالک تعلقات ناپید تھے۔ اسی لیے ناگزیر نبی اور مصلح بھی قومی ہوتے نہ کہ عالمگیر اور بین الاقوامی اور ان کی تعلیمات اپنی اپنی قوموں تک ہی محدود ہوتی تھی۔ قرآن

پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلاً إِلٰی قَوْمِهِمْ﴾(۴۸)

(اور ہم نے آپ سے پہلے انبیاء کو صرف ان کی قوموں کی طرف ہی مبعوث کیا۔)

بعثت نبوی کے عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

''کسی زمانے میں یونان حکمت و فصاحت کے دریا بہا چکا تھا۔ دنیا کو اس کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کے لیے حکمت و فصاحت کے ایک بہتر اور بلند تر نمونے کی ضرورت تھی۔ روما نے قانون سازی میں کمال پیدا کیا تھا اور رسول عربی ﷺ کی ولادت سے پانچ ہی سال پہلے مرنے والے شہنشاہ جسٹینین نے رومی قوانین کی تدوین کا کارنامہ سرانجام دلا کر دنیا کو ایک چیلنج دے دیا تھا کہ اس سے بہتر کوئی قانون لاؤ۔ اسی طرح ہندوؤں، مصریوں اور ایرانیوں نے کچھ ایسے کارنامے چھوڑے تھے جن سے خاص خاص شعبوں میں انسانی ذہنیت پر ان کی برتری مسلم ہو چکی تھی۔ اور ضرورت تھی کہ انسانی ذہن کی صحت مند بالیدگی کوکچلنے والے موانع کو دور کر دیا جائے اور انسان کو عقل، فکر، نظر، بصر، سمع تفقہ، تدبر، شعور اور علم وغیرہ سے خود کام لینے پر آمادہ کیا جائے''(۴۹)۔

چین ، ہندوستان، ترکستان، ایران و روم اور حبش کے حالات کی تفصیلی وضاحت کرنے کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ بین الاقوامی دین کی بعثت کی ضرورت کو ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:۔

''غرض اس زمانے کو جدھر دیکھو دنیا میں تباہی اور فتنہ و فساد ہی تھا کسی جگہ بلند نظرانہ عالی ہمتی اور درد مندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہے اور ملک وار، قوم وار، نسل وار اور ایسے ہی دیگر محدود مذاہب سے نجات دلائی جائے اور تمام انسانی دنیا کے لیے ایک ایسا بنیادی مذہب پیش کیا جائے جو زماں و مکاں کے فرق سے بالا اور جاتیوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو اور ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمہ داریاں عطا کر کے نوع بشری کی تخلیق کی اصلی غرض و غایت کو پوری کرنے کا انتظام کیا جائے''(۵۰)۔

(ب) بین الاقوامی رسولﷺ کی بعثت

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہﷺ کو انبیاء کے جہاد کی تکمیل کرنے اور جامع تعلیمات الٰہی کو دنیا کے تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے ایک نئے جامع اور کامل پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے اور رسول محمد ابن عبداللہﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا؛

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّةً لِلّنَّاسِ بَشِيْراً وَّ نَذِيْرًا﴾(۵۱)

(اے رسول ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہﷺ کی اس عالمی حیثیت کی وضاحت کے ساتھ آپﷺ کو پیغام الٰہی ساری دنیا تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی سونپی چنانچہ ارشاد ہوا؛

﴿قُلْ يآيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾(۵۲)

(آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں)

(ج) بین الاقوامی رسولﷺ کے مرکز دعوت کے طور پر جزیرۃ العرب کا انتخاب

جزیرۃ العرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے سیاسی اور مذہبی محرکات کے ذکر کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جغرافیائی اسباب کی بھی تفصیلی نشان دہی کی ہے۔ دنیا کے نقشے پر نظر دوڑائیں تو نظر آئے گا کہ ایشیاء، یورپ، افریقہ اور اوقیانوس کے براعظموں میں جزیرہ نما عرب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ براعظموں کے قریب ترین ہونے اور متمدن ترین دنیا یعنی ایران، حبش اور یونان کے بیچ میں ہونے کے باعث عرب کو دنیا کے مرکز کا اور عرب کے بھی مرکز مکہ معظّمہ کو ناف زمین کا نام دیا گیا تھا(۵۳)۔

ایک محدود رقبے کے اندر مکے کی وادی غیر ذی ذرع، طائف کی قابل رشک شام و روم کی خنکیاں، مدینے کی زرخیزی وغیرہ کا ایسا اجتماع حجاز میں عمل میں آیا کہ اس کی مثال پوری دنیا میں اور کہیں نہیں ملتی(۵۴)۔

عرب خاص کر حجاز میں اب تک کوئی نبی نہیں آیا تھا وہاں کے لوگوں نے اپنی ذہنی قوتیں کسی کام میں خرچ نہ کی تھیں۔ نپولین کے استنباط کے مطابق ان میں جفاکشی، جاں فروشی، صبر و ضبط

مستعدی، سادگی اور اسی طرح کے دیگر بلند کردار جو ترقی کرنے والی قوموں میں ضروری ہوتے ہیں خوب پرورش پا چکے تھے۔ ان کی خود داری اور عزت نفس بھی مستحکم تھی اور صحرائی زندگی اور کھلی فضاء میں پرورش پانے کی وجہ سے ان کی بصارت اور سماعت اور دیگر حواس بھی شہریوں کے مقابل غیر معمولی طور پر تیز تھے۔ لکھنے پڑھنے کا رواج نہ ہونے کی بناء پر ان کے حافظے زبردست تھے۔ غذا میں سادگی صحرا کا نتیجہ تھا اور برسوں سے کوئی بیمار بھی نہ ہوا تھا۔ ان کی زبان بھی دیگر ہم عصر زبانوں پر تفوق رکھتی تھی اور عہد نبوی میں ہی اتنی ترقی کر چکی تھی کہ پھر کبھی نہ اس کی صرف ونحو کو بدلا گیا اور نہ ہی تلفظ و املاء کو اور چودہ صدیاں پہلے مسجد نبوی کے منبر پر رسول اللہ ﷺ جس زبان سے لوگوں کو مخاطب فرماتے تھے۔ بخارا و سمرقند سے لے کر اقوام متحدہ کے ایوانوں تک آج بھی کروڑوں انسان اسی زبان میں لکھتے، بولتے اور پڑھتے ہیں۔ جب کہ یہ خصوصیت کسی بھی دوسری بین الاقوامی زبان بشمول انگریزی اور فرانسیسی میں نہیں ہے(۵۵)۔ یہ تھے وہ حالات و اسباب جن کی بنیاد پر عالمی دعوت کے لیے مکہ اور حجاز کا بطور مرکز انتخاب کیا گیا۔

(د) عالمی رسول ﷺ کے طور پر محمد ابن عبداللہ ﷺ کا انتخاب

جزیرۃ العرب کو آخری بین الاقوامی پیغام کا مرکز بنانے کی وجوہات کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بطور خاص اس سوال کا جواب بھی دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر محمد ابن عبداللہ کا ہی انتخاب کیوں کیا گیا۔رسول اللہ ﷺ اگرچہ ایک سردار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن آپ یتیم تھے اور کئی سال تک آپ کی پرورش خالص صحرائی اور بدوی ماحول میں ہوئی۔ ان حالات میں آپ کی ذات سے موروثی سرداری کی بیماریاں یعنی غرور، جلد بازی، آرام پسندی، ناتجربہ کاری وغیرہ بہت دور تھیں۔ البتہ ضروری خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ نو عمری میں چرواہا گری نے آپ میں خدمت جہاں، چوکسی، فرض شناسی، پابندی اوقات، نرمی اور محنت و مشقت جیسی صفات کے ساتھ ساتھ "سید القوم خادمهم" کے بمصداق راہنمائی اور سرداری کے حقیقی اوصاف بھی پیدا کر دیئے تھے۔ جوانی میں تجارت کا پیشہ آپ کی ذات میں مزاج شناسی، امانت و دیانت جیسی صفات کو جلا بخشی کا باعث بنا۔

محمد بن عبداللہ ﷺ کا رشتہ ننھیال کی طرف سے مدینے والوں سے تھا اور ماموں کی طرف سے طائف والوں سے تھا۔ مکہ و مدینہ اور طائف فطری و انسانی ہر جہت سے باہم انتہائی مختلف حیثیتیں

رکھنے والی ان تینوں بستیوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مقامی وطنیت کی جگہ خود بخود عالمگیر وطنیت نے لے لی اور یقیناً کسی عالمگیر راہنما کے لیے ایسی ہی خصوصیات کی ضرورت ہوتی تھی۔

ہر محتاج کو مدد دینا، حق رسائی میں پیش پیش لیکن حق طلبی میں سب سے پیچھے رہنا، سادگی پسند، ملنسار، مخلص، فیاض، محنتی، فرض شناس، پابند وقت غرض یہ کہ فطرت نے مکارم اخلاق کا وافر حصہ آپ کو دیا تھا[۵۶]۔ یہ چیزیں بچپن ہی سے آپ میں نظر آتی تھیں۔ زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنے کی عادت نے آپ کی شخصیت کی اس طرح تعمیر کر دی تھی کہ نبوت سے پہلے ہی زبان خلق آپ کو الامین کا خطاب دلا کر آپ کی سرداری معنوی طور پر تسلیم کرتی ہے[۵۷]۔

زمانہ آپ کی خوبیوں کا نبوت سے قبل ہی معترف تھا۔ فرداً فرداً یہ اوصاف اوروں میں بھی ہو سکتے ہیں اور رہے ہوں لیکن ان سب کا اجتماع کسی اور شخص میں نہ تھا اور ضرورت تھی اسی اجتماع کی تاکہ ایسی ذات کو عالمگیر و دائمی نبوت کی خدمت پر مامور کیا جا سکے[۵۸]۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا استنباط یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے تعلیمات نبوی کی روشنی میں اسلامی قانون کی تدوین کی تو انہوں نے اس کا ایک بہت بڑا حصہ بین الاقوامی قانون کے لیے بھی مختص کر دیا اور اس قانونی حصہ کو عام سیاست سے واضح اور جدید تصور عطا کیا گیا اس طرح یہ فقہ کا ایک منفرد موضوع بن گیا۔ ابتدائی دور کے بین الاقوامی اسلامی قانون کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اھل روم اور مسلمانوں کے کیسے تعلقات تھے۔ یہ تعلقات صرف جنگ پر مبنی ہی نہ تھے بلکہ بین الاقوامی قانون کے کئی دوسرے موضوعات کا احاطہ بھی ان سے نظر آتا ہے۔ اسلامی قانون نے دشمنوں کے حقوق کا تحفظ کیا اور موجودہ بین الاقوامی قانون کے بانیوں کو رہنمائی فراہم کی[۵۹]۔

2.4) بین الاقوامی اسلامی قانون کے مصادر اور اس کی اخلاقی بنیادیں

فقہ اسلامی کے مشہور و معروف مصادر خاص طور پر قرآن اور سنت ہی بین الاقوامی اسلامی قانون کے بنیادی مصادر ہیں۔ ان کے ساتھ ثانوی مصادر بھی موجود ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بین الاقوامی اسلامی قانون کے درج ذیل مصادر کا ذکر کیا ہے؛

۱۔ قرآن حکیم

۲۔ سنت رسول اللہ ﷺ

۳۔ خلفاء راشدین کا تعامل
۴۔ مسلمان خلفاء کا وہ تعامل جو فقہاء کی آراء کی بنیاد پر تشکیل پایا ہو۔
۵۔ مسلمان فقہاء کی آراء جو کہ قیاس اور اجماع کی بنیاد پر ہوں۔
۶۔ تنازعات کے فیصلے۔
۷۔ معاہدات اور اتفاقیات
۸۔ سفراء اور فوجی افسروں کو دی گئی سرکاری ہدایات۔
۹۔ مسلمان ممالک کی وہ داخلی قانون سازی جو غیر ملکیوں کے ساتھ تعلقات کو منظّم کرنے کے لیے کی گئی ہو۔
۱۰۔ عرف اور رواج[۶۰]۔

اسلام کا بین الاقوامی قانون انسانی عقل پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی ناقابل تغیر بنیادیں قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دنیا کے قدیم رسم و رواج دشمن کو کسی رحم کا حق دار قرار دیتے ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی حقوق دیتے ہیں جب کہ اسلام کا بین الاقوامی قانون تو سارے کا سارا ہی غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہے۔ مسلمانوں کے ہاں معروف قاعدہ کلیہ ہے کہ

"المسلم والکافر فی مصاب الدنیا سواء"[۶۱]
"مسلمان اور کافر دنیا کے معاملات میں برابر ہیں۔"

اسی لیے قرآن پاک نے حکم دیا کہ

﴿وَ اِنْ اَحَدُ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ﴾[۶۲]
"کہ اگر مشرکوں میں سے کوئی پناہ مانگے تو اسے دے دو۔"

مختصراً یہ کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول اسلام کا بین الاقوامی قانون مسلمانوں کا وہ رویہ ہے جس کے وہ مذہبی اور قانونی طور پر غیر مسلموں سے تعامل کے دوران پابند ہیں اور اس کی خلاف ورزی گناہ ہے[۶۳]۔

2.5) بین الاقوامی اسلامی قانون کی تدوین

ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے اپنی تحریروں میں بین الاقوامی اسلامی قانون کی تدوین کا تفصیلی احاطہ کیا۔ جس کے اہم نکات حسبِ ذیل ہیں۔

بین الاقوامی اسلامی قانون کے اصول و ضوابط تو دور رسول اللہ ﷺ میں ہی وجود میں آ گئے تھے تاہم اس کی بطور ایک مستقبل شعبہ قانون تدوین بعد کے ادوار میں فقہ اسلامی کی دوسری شاخوں (عبادات، معاملات اور عقوبات) کی تدوین کے ساتھ ہی ہوئی۔ حضرت زید بن علی (م ۱۲۰ھ) جو کہ حضرت امام حسین کے پوتے تھے کی کتاب **مجموعہ فی الفقہ** میں ایک باب **کتاب السیر** کے عنوان سے بین الاقوامی اسلامی قانون سے متعلق تھا۔ اس طرح السیر کی اصطلاح تمام مکاتب فکر کے ہاں صلح و جنگ کے بین الاقوامی ضوابط کے بیان کے لیے استعمال ہونا شروع ہو گئی۔ حتی کہ خارجی فقہ میں بھی یہی اصطلاح مدون ہو گئی۔

صلح و جنگ اور غیر جانبداری سے متعلق فقہ اسلامی کے قواعد شروع میں جرم و سزا کے قوانین کے ضمن میں ہی درج کئے جاتے تھے۔ کیونکہ چوری اور ڈاکوؤں کے ذکر کے بعد باغی اور غیر ملکی حملہ آوروں کا ذکر منطقی تھا۔

امام ابو حنیفہ نے اس شاخ کو ایک سے ایک منفرد موضوع فقہ کے طور پر پیش کیا۔ امام ابو حنیفہ سے کتاب السیر منسوب کی جاتی ہے۔ ان کے شاگرد امام ابو یوسف، محمد بن الحسن الشیبانی' امام زفر اور امام ابراہیم نے سیر کے موضوع پر مستقل کتابیں تحریر کیں۔ فقہ میں امام اوزاعی، الواقدی اور دوسری اور تیسری صدی ہجری کے فقہاء مثلاً ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے بھی اس موضوع پر کتابیں تحریر کیں۔

سیر کے موضوع پر امام ابو حنیفہ کی کتاب پر امام اوزاعی نے تنقیدی کتاب لکھی۔ امام اوزاعی کی تنقیدی کتاب کے اعتراضات کا جواب امام ابو یوسف نے **الرد علی السیر الاوزاعی** کے نام سے تحریر کیا۔ بعد میں فقہ شافعی کے فقہاء بھی اس موضوع پر لکھنے والوں میں شامل ہو گئے۔ اس ضمن میں امام شافعی کی **کتاب الاُم** بہت اہم ہے[۶۴]۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول مولانا مناظر احسن گیلانی کی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ السیر کے موضوع پر لکھنے کے علمی سے زیادہ سیاسی اسباب تھے۔ انہی اسباب کی بناء پر کئی فقہاء نے مختلف آراء پر مبنی اپنی تحریریں اس موضوع کے لیے وقف کر دیں۔ فقہاء کی بہت بڑی تعداد خلفاء اور سیاسی حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرنے کو ترجیح دیتی تھی۔ جب کہ امام ابو حنیفہ کا رویہ اس سے مختلف تھا' وہ تو خروج کے بھی حق میں تھے۔

دوسرے فقہاء اس کے حق میں نہیں تھے۔ اس ضمن میں امام اوزاعی کہتے ہیں:

"احتملنا أبا حنيفة على كل شئى حتى جاء نا بالسيف يعنى قتال الظلمة فما نحتمله"(۶۵)

"ہم نے امام ابو حنیفہ کی ہر بات میں برداشت کی یہاں تک کہ وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف تلوار سے جہاد کے لیے تیار ہو گئے تو اس موقع پر ہم اس کی حمایت نہیں کر سکتے تھے"۔

اسی لیے امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی فقہاء نے سیر کے بارے میں جو آراء دیں۔ شافعی فقہی الاوزاعی نے ان کو قبول نہ کیا اور انہوں نے اتحاد و یک جہتی کی ضرورت پر ایک کتاب تحریر کر دی۔ امام ابو حنیفہ خود تو اس بحث میں نہ پڑے لیکن ان کے شاگرد امام ابو یوسف نے امام الاوزاعی کے رد میں **رد علی سیر الاوزاعی** کے نام سے کتاب لکھ دی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول ممکن ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے مشورے سے ہی اس موضوع پر لکھنے کا آغاز کیا ہو۔

بنو امیہ کے زوال کے بعد امام مالک کی سیر کے متعلق تحریروں کا بھی آغاز ہوا۔ اس ضمن میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے درمیان بحث و مباحثہ بھی ہوا۔ تاہم حتمی طور پر امام مالک کی سیر کے بارے میں تحریروں کی مدت کا تعیین آسان نہیں ہے(۶۶)۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی کی السیر میں ان سیاسی امور کا ذکر نہیں ہے۔ واقدی کی السیر بھی اس ضمن میں ایک اہم کتاب ہے۔

بین الاقوامی اسلامی قانون پر مشتمل ان مستقل کتابوں کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلامی قانون کے وسیع ذخیرہ میں ان متفرق جگہوں کی بھی نشاندہی کی ہے جس میں بین الاقوامی اسلامی قانون کے قواعد موجود ہیں چنانچہ وہ واضح کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی مختلف کتابوں کے عبادات، معاملات اور عقوبات کے متعلقہ مباحث میں بھی بین الاقوامی اسلامی قانون کے متفرق احکامات موجود ہیں۔ جیسے کہ امام شافعی کتاب الصلوٰۃ میں امامت کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔ ان متفرق احکامات کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں السیر کے موضوع پر تفصیلی الگ ابواب بھی ہیں۔ جن میں پبلک اور پرائیویٹ بین الاقوامی قانون کے متعلق احکامات موجود ہیں۔

ابتدائی صدیوں کی فقہی کتابوں سے بین الاقوامی اسلامی قانون کی تدوین کے جس سلسلہ کا آغاز ہوا وہ بعد کی صدیوں میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ ابن رشد کی **بدایۃ المجتہد** اور مغل باشادہ عالمگیر کا فتاوی عالمگیر یہ اس کی مثالیں ہیں(٦٧)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ عصر حاضر میں بین الاقوامی اسلامی قانون سے متعلق تحریریں اور کتابیں بڑی تعداد میں لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں کے مصنفین میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ اس ضمن میں یورپی زبانوں میں بین الاقوامی اسلامی قانون پر لکھی گئی کتابوں کی ایک فہرست انہوں نے Muslim Conduct کے صفحہ نمبر۲۹ اور ۳۱ پر دی ہے۔

3۔ بین الاقوامی اسلامی قانون میں حالت امن کے قواعد و ضوابط

ڈاکٹرمحمد حمید اللہ نے موجودہ بین الاقوامی قانون کی ترتیب کے مطابق بین الاقوامی اسلامی قانون کے قواعد کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ حالت امن کے قوائد

2۔ حالت جنگ کے قوائد

3۔ غیر جانبداری کے قوائد

ان کی مزید وضاحت ذیل کی سطور میں

3.1) آزادی و خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ

بین الاقوامی قانون کی رو سے کسی ریاست کی آزادی اور خود مختاری کا انحصار اس ریاست کے بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے کے اختیار پر ہے۔ اگر کسی ریاست کے پاس اس قسم کے تعلقات قائم کرنے کا مکمل اختیار ہو تو اسے مکمل طور پر آزاد ریاست قرار دیا جاتا ہے۔ جب کہ اگر اسے یہ مکمل اختیار حاصل نہ ہو تو ایسی ریاست کو نیم خود مختار ریاست قرار دیا جاتا ہے(٦٨)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے میں اسلوب حکومت اقتدار اعلیٰ کے حق کو استعمال کرنے پر اثر انداز نہیں ہوتا، کوئی ریاست جمہوری ہو یا ڈکٹیٹرشپ ہو یا بادشاہت تمام صورتوں میں وہ ریاست اقتدار اعلیٰ کے حق کو استعمال کر سکتی ہے۔انہوں نے وضاحت کی ہے کہ مسلمان فقہاء نے اسلامی ریاست کے

لیے کوئی خاص اسلوب حکومت ضروری قرار نہیں دیا خلیفہ چاہے منتخب ہو چاہے وہ وراثت سے حق اقتدار کا مالک بنے یا زبردستی حکومت ہتھیا لے جب تک وہ شریعت کے احکام کے مطابق لوگوں کو چلائے اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرے تو اس کی حکومت کو فقہاء نے Legitimate قرار دیا ہے۔ مشترکہ حکمرانی کے اصول کو بھی فقہاء نے مسترد یا غیر اسلامی قرار نہیں دیا[۶۹]۔ حکمرانوں کی اطاعت اور عوام کی طرف سے ان کی حکمرانی کی تائید اور حمایت کے لیے اسلام کے آغاز سے ہی بیعت کا ایک ادارہ موجود رہا ہے۔

الف۔ خود مختاری کا اسلامی تصور

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ ابن خلدون نے خود مختاری کے اسلامی تصور کی وضاحت اس طرح کی ہے:

''ولا تکون فوق یدہ ید قاھرہ''[۷۰]

''کہ وہ (اقتدار اعلیٰ) جس کے اوپر کوئی دوسری حکم دینے والی طاقت نہ ہو۔''

گویا کہ ایسی ریاست جو اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات میں فیصلے کرتے وقت کسی بالاتر طاقت کی رائے کی پابند نہ ہو' خود مختار ریاست کہلاتی ہے[۷۱]۔

اندرونی اور بیرونی معاملات میں فیصلے کرنے کا اختیار در اصل شخصی آزادی کی توسیع ہی ہے کیونکہ فقہاء کے قول:

''الاصل فی الناس الحریة''[۷۲]

''لوگوں میں اصل آزادی ہی ہے۔''

ب۔ ایک سے زیادہ ریاستوں کا وجود

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بین الاقوامی قواعد کے حوالے سے متعدد ریاستوں کے وجود پر بحث کی ہے خاص طور پر ایک سے زیادہ اسلامی ریاستوں کے جواز پر گفتگو کی ہے ان کے خیال میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ خود مختار ریاستوں کے وجود کے بغیر بین الاقوامی قانون کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی بین الاقوامیت کو دوسری قوموں سے تقابل کر کے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے یونانیوں کے نزدیک قدرت نے انہیں سب سے بہتر بنایا تھا اور وہ زمین کے سردار Lords ہیں اور یہ کہ غیر یونانیوں کا حق صرف یہ ہے کہ وہ یونانیوں کی غلامی کریں[۷۳]۔ رومیوں

نے اگرچہ ایک تہائی سے زیادہ دنیا پر کبھی حکومت نہیں کی لیکن ان کے نزدیک بھی زمین صرف انہی کے لیے تھی(۷۴)۔

برتری کے ان تصورات کی بنیاد پر مذاہب بھی بین الاقوامی اور بین الانسانی ہونے کی بجائے وطنی اور نسلی ہو کر رہ گئے تھے اور یہودیت اس کی سب سے بڑی مثال ہے کہ یہودی صرف وہی ہو سکتا ہے جو کسی یہودی کے گھر پیدا ہوا ہو(۷۵)۔

اس کے مقابلے میں اسلام ایک بین الاقوامی مذہب ہے جو کہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ اسلام کے بین الاقوامی قانون نے مسلمانوں کی رنگ نسل اور زبان کے امتیازات سے پاک اور خدا کی حاکمیت کی حامل بین الاقوامی ریاست کی تشکیل میں بڑی مدد کی۔ اسی لیے اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ اہم نہیں ہے کہ حکمران عرب ہو کہ حبشی بلکہ ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو اور اسلام کے اصولوں کے مطابق امور کو چلائے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے منشور انسانیت میں فرمایا؛

''أیها الناس ألا إن ربکم واحد، ألا و إن أباء کم واحد ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لأسود علی أحمر ولا لأحمر علی أسود الا بالتقوی.''(۷۶)

''اے لوگو! تمھارا پروردگار ایک ہے۔ تمھارا باپ ایک ہے۔ آگاہ رہو کہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی سیاہ کو سرخ پر اور نہ سرخ کو سیاہ پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت ہے۔''

مسلمان فقہاء کے نزدیک اسلامی ریاست اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ فرائض کو جو کہ بذریعہ وحی رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئے ادا کرنے کی پابند ہے۔ اسی لیے امت واحدہ اور امت مسلمہ کا تصور ہے جس کی رو سے تمام مسلمان دوسرے لوگوں سے مختلف ایک قوم ہیں۔ جیسا کہ میثاق مدینہ کی نص میں شامل ہے کہ

''انهم امة واحدة من دون الناس''(۷۷)

''کہ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ایک قوم ہیں۔''

امت مسلمہ کے بین الاقوامی تشخص کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر محمد حمیداللہ کہتے ہیں کہ مسلمان فقہاء ایک خلافت کے قیام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ غیر مسلم ریاستوں، ایک سے زیادہ مسلم ریاستوں اور تمام غیر مسلم ریاستوں کو ایک وحدت ماننے کی بجائے الگ الگ ان سے معاملات کرنے کے بھی قائل ہیں۔

جیسا کہ امام سرخسی کہتے ہیں؛

"ان اھل الحرب اھل دور باختلاف المنعات لھم."(۷۸)

"غیر مسلم مختلف ریاستوں سے اپنی قوت مزاحمت کی بنیاد پر تعلق رکھتے ہیں۔"

ابتداء میں ایک سے زیادہ مسلم ریاستوں کا تصور نہیں تھا۔ لیکن جب اسلام بہت زیادہ علاقوں تک پھیل گیا تو ایک سے زیادہ اسلامی ریاستوں کا وجود لازمی تھا۔ جیسا کہ ابو موسیٰ کہتے ہیں؛

"لان الدارین فی الاصل ما امتازا الا باجراء الاحکام و تنفیذ الولایات و کذلک الولایات المختلفة فی دار الإسلام بین ملوک الإسلام لاتمتاز الا بالغلبة و اجراء الاحکام."(۷۹)

"مسلمان اور غیر مسلم علاقوں کے درمیان وجہ امتیاز اختیار اور حکم میں اختلاف ہے اس قسم کا امتیاز مسلمان علاقوں میں بھی درست ہے۔ جس میں اسلامی حکمران اپنے دائرہ کار اور حکم کے اختیار کے حوالے سے مختلف ہیں۔"

اموی ریاست کے زوال کے ساتھ ہی اندلس میں ایک الگ خلافت قائم ہو گئی۔ عباسیہ سلطنت کے آخری سالوں میں علاقائی گورنر خود مختار ہو گئے اور ان کے صوبے تقریباً الگ الگ ریاستیں ہی تھیں۔ ایک سے زیادہ اسلامی ریاستوں کی ایک اہم مثال ہارون رشید کے دور میں شمالی افریقہ میں قائم کی گئی ادریسی بادشاہت تھی جو بغداد کی عباسی خلافت اور اندلس کی اموی خلافت کے درمیان ایک خود مختار اسلامی ریاست تھی(۸۰)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ان تاریخی حقائق کا ذکر کرنے کے بعد استنباط کرتے ہیں کہ مسلمان فقہاء نے اسلامی ریاست کے تصور کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاستوں کے باہمی اور ان کے غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ تعلقات کو منظّم کرنے کے قوانین بھی دیئے ہیں۔ ان قوانین میں مسلمان ریاستوں کے غیر مسلم باشندوں اور غیر مسلم ریاستوں کے مسلمان باشندوں کے معاملات کو طے کرنے کے ضابطے بھی موجود ہیں(۸۱)۔

3.2) ملکیت (Property)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ وضاحت کرتے ہیں کہ افراد کی طرح ریاستیں بھی حق ملکیت رکھتی ہیں۔ ریاستوں کی ملکیت کی سب سے اہم چیز ان کا علاقہ (Teritory) ہوتا ہے۔ علاقہ سے مراد صرف سطح

زمین ہی نہیں ہے بلکہ اس میں سطح زمین کے نیچے اور اوپر جو کچھ بھی ہے بین الاقوامی قانون کی رو سے وہ اس علاقے کا حصہ تصور کیا جاتا ہے۔ مسلمان فقہاء کا کہنا ہے کہ جس ملک یا ریاست کا وہ علاقہ ہو اس علاقے کے اوپر اور زیر زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اس ریاست کی ملکیت تصور ہو گا[۸۲]۔

اسلام کے احکام کی رو سے کائنات کی ہر چیز کا اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے تاہم حکومت کو بطور Trustee اس سے استفادہ کا حق حاصل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛

فالسُّلطَانُ وَلِيٌّ مَن لَّا وَلِيَّ لَهُ.[۸۳]

''جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی حکمرانِ وقت ہے۔''

یہ مسلمان حکمران جسے زمین پر خدا کا سایہ قرار دیا گیا ہے مطلق العنان نہیں ہے بلکہ وہ شریعت کے ضابطوں پر عمل کرنے کا پابند اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ہے[۸۴]۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛

''**ان اللہ لا یجمع أمتی أو قال امة محمد صلی اللہ علیه وسلم علی الضلالة وَيَدُ اللهِ مَعَ الجماعة ومن شَذَّشُذّ إلی النَّار**''[۸۵]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی میری امت کو یا ......یا امت محمد کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اور جو کوئی علیحدہ ہو گا تو اس کی علیحدگی دوزخ کی طرف ہو گی۔''

اسلامی اصول ملکیت کے مطابق اسلامی ریاست کا تمام علاقہ مسلمانوں کے امام (حکمران) کے اختیار میں داخل ہے اور اس کا یہ اختیار امت مسلمہ کا اجتماعی اختیار ہے[۸۶]۔ جسے وہ امت کے نمائندے کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے۔ جیسا کہ ابن خلدون کہتے ہیں؛

''**الخلافة راجعة الی اختیار اهل العقد والحل**''[۸۷]

''خلافت اہل حل و عقد سے منسوب ہے۔''

علاقہ (Territory) کی ملکیت کے بارے میں بین الاقوامی اسلامی قانون کے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے استنباط کردہ اہم قواعد حسب ذیل ہیں؛

الف۔ ملکوں کی سرحدوں کا تعین بین الاقوامی معاہدات کے ذریعے ہوتا ہے۔ اگر کوئی دریا سرحد پر ہو تو ملکوں کی سرحدوں کا تعین اس کے درمیان میں تصور کیا جائے گا۔

ب۔ اسلامی قانون کی رو سے پانی متعلقہ زمین کا حصہ تصور ہو گا۔ اور جس ریاست کی علاقہ پر ملکیت ہو گی ملحقہ پانی بھی اسی ریاست کا حصہ شمار کیا جائے گا[۸۸]۔

ج۔ سمندر کے بارے میں مسلمان فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔ بعض نے اسے اسلامی ریاست کا حصہ قرار دیا ہے۔ بعض نے اسے غیرمسلم ریاست کا اور بعض نے اسے غیر جانبدار Noman علاقہ قرار دیا ہے[۸۹]۔

اس ضمن میں امام ابو یوسف نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ

"انه صلى الله عليه وسلم جعل لكل أرض حريماً"[۹۰]

''کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر زمین کی حد مقرر فرما دی۔''

د۔ مسلمان فقہاء کے خیال میں جو علاقہ بھی مسلمانوں کے زیر نگین آ جائے گا۔ وہ علاقہ اسلامی ریاست کا حصہ تصور ہو گا۔ تاہم عام استعمال کی چیزیں شخصی ملکیت میں نہیں جا سکیں گی اور حکومت کے زیرِ کنٹرول تمام لوگوں کو ان سے استفادے کا حق حاصل ہو گا۔ اس لیے مسلمانوں کے علاقے میں موجود نہریں، دریا اور آبی راستے پر امن آمدروفت کے لیے کھلے ہوں گے اور غیر ملکیوں کو بھی ان سے استفادہ کا حق حاصل ہو گا تاہم انہیں قواعد کے مطابق ٹیکس ادا کرنا ہوں گے[۹۱]۔

ھ۔ ایک مسلمان ریاست دوسرے علاقوں کو بذریعہ جنگ، بذریعہ معاہدہ، یا خرید کر یا پھر تبادلہ کے طور پر یا وہاں کے رہنے والے لوگوں کی خواہش کی بنیاد پر اسلامی ریاست میں شامل کر سکتی ہے۔ علاقہ خریدنے کی ایک مثال ابن کثیر نے روایت کی ہے جس کے مطابق؛

"واشترى ملطية من الروم بماية الف الا سير وبناها"[۹۲]

''حضرت عمر بن عبدالعزیز نے رومیوں سے ملطیہ کاعلاقہ ایک لاکھ قیدیوں کی رہائی کے عوض خرید لیا اور اس کی تعمیر کی۔''

ء۔ مسلمان فقہاء کے نزدیک مسلمان علاقوں (Muslim Territories) کی مختلف صورتوں میں اسلامی ریاست کے باضابطہ حصے، نیم خود مختار، غیر مسلم ریاستیں، خود مختار و آزاد مسلم ریاستیں Protected States اور ایسی ریاستیں شامل ہیں جو مسلمانوں کے زیر اثر ہوں[۹۳]۔

3.3) حالت امن میں ریاستوں کا دائرہ کار (Jurisdiction)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خیال میں حالت امن میں اسلامی حکومت کے دائرہ کار Jurisdiction

کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اشیاء: اشیاء میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں۔

۱۔ حکومت اور اس کے باشندوں کی ریاست کی حدود میں واقع جائیداد۔

۲۔ ایسی جائیداد جو سمندری حدود میں واقع ہو۔

۳۔ کھلے سمندر یا فضاؤں میں چلنے والے جہاز۔

۴۔ غیر ملکوں میں موجود سفارت خانے۔

افراد جو کہ ریاست کے دائرہ کار میں داخل ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں؛

(الف) اسلامی ریاست کے مسلمان شہری

اسلامی ریاست کے دائرہ کار میں آنے والے سب سے اہم باشندے اس کے مسلمان شہری ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾(۹۴)

''سارے مسلمان بھائی ہیں''

اس آیت سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ ایک مسلمان جب کسی غیر مسلم علاقے سے ہجرت کر کے اسلامی ریاست کی حدود میں مقیم ہو جاتا ہے تو وہ اس کا مستقل شہری بن جاتا ہے اور اس کے حقوق و فرائض اسلامی ریاست کے مستقل شہریوں کے برابر ہو جاتے ہیں۔

(ب) اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری

اسلامی قانون بطور ایک بنیادی اصول کے اسلامی ریاست کے تمام باشندوں کو مال عزت و آبرو اور عقیدے کی آزادی و تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ ضمانت بلا امتیاز مذہب و دین، مسلمان اور غیر مسلم تمام شہریوں کے لیے یکساں ہے۔ اسلامی قانون نے اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو ذمی protected ہونے کی حیثیت سے کئی اضافی امتیازات بھی دیئے ہیں۔ انھیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے استثناء حاصل ہے۔ وہ دفاعی خدمات سر انجام دینے کے پابند نہیں ہیں۔ ان کے اپنے Personal Law کے مطابق شخصی معاملات میں آزادی حاصل ہو گی تاہم انھیں معمولی شرح سے جزیہ ادا کرنا ہو گا اور اگر اسلامی حکومت چاہے تو اسے معاف بھی کر سکتی ہے(۹۵)۔ اسلامی قانون کی رو سے اگر کوئی مرد

اسلامی ریاست کی شہریت حاصل کرے گا تو اس کی بیوی کو بھی خود بخود یہ شہریت حاصل ہو جائے گی یہ قانون اسلامی ریاست کے مسلمان اور غیر مسلم سب باشندوں کے لیے برابر ہے(۹۶)۔

(ج) غیر مسلم ریاست کے مسلمان شہری

اسلامی قانون فرد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس لیے اگرچہ کوئی مسلمان کسی غیر اسلامی ریاست میں ہی مقیم کیوں نہ ہو یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی قوانین پر عمل کرے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنگی مہم کو روانہ فرماتے تو اس کے سردار کو نصیحت فرماتے:

اغُذُوا باسم اللہِفِی سَبیل اللہقاتلُوا مَن کَفرَ باللہ أغَذُوا وَلَا تغُلُّوا وَلَا تَغدِرُو ا وَلا تمثُلُو وَلَا تقتلَو وَلیدً ا وَ إذا لقیتَ عُدُوَّک مِن المشرکین فادعُهُم إلَی ثلاثِ خِصَال فَأَ یتهُنَّ ما أَجابوکَ فَا قَبل ْ منهُم وَ کُفَّ عَنهُم ثُمَّ ادعُهُم إلیَ الإسلَام فَإِ ن أ جَا بوکَ فاقبل مِنهُم وَ کُفَّ عَنهُم ثُمَّ ادعُهُم إ لی التَّحَوُّلِ مِن دَ ارِ المُهَاجرینَ وَ اَخبرهُم أ نَّهُم إن فَعَلُوا ذاَلکَ فَاَنَّهُم مَا للمُهَاجِرینَ وَ عَلَیهِم مَا عَلَی المُهَاجِرینَ فان ابَواَ أن یتحَوَّ لوا مِنها فَأ خبِر هُم انَّهُم یَکُونونَ کأعرابِ المسلمین یَجرِی عَلَیهم حکم اللہِالَّذی یَجری عَلَی المؤ منِینَ وَلَا یَکُون لَهُم فِی الغُنِیَمة وَالفی ءِشئيُ إلَّا أَن یُجَاهِدُوا مَعَ المسلمِینَ.

اللہ کی راہ میں اس کے نام سے کافروں سے جہاد کرو۔ حد سے تجاوز مت کرو نہ ہی وعدہ خلافی کرو۔ مردوں کی بے حرمتی کرو اور نہ ہی عورتوں اور بچوں کو قتل کرو اور جب تمہارا مشرک دشمن سے سامنا ہو تو انہیں تین چیزوں کی طرف دعوت دو اور اگر وہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی قبول کرلیں تو جنگ روک دو۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ یہ دعوت قبول کر لیں تو ان کی بات پر اعتبار کرو اور ان سے لڑائی روک دو اور ان سے کہو کہ وہ اسلامی ریاست کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انھیں مہاجرین جیسے حقوق و فرائض حاصل ہوں گے۔ اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو انھیں آ گاہ کر دو کہ وہ اسلامی ریاست کے غیر مقیم شمار ہو گے۔ تاہم دوسرے مومنوں کی طرح قوانین الٰہی کی پابندی ان پر لازمی ہو گی۔ تاہم انھیں مال غنیمت میں سے حصہ اسی وقت ملے گا جب وہ مسلمانوں کے ہمراہ لڑائی میں شریک ہوں گے(۹۷)۔

غالبًا اس بناء پر امام ابو یوسف نے یہ استنباط کیا ہے کہ:

"المسلم ملتزم احکام الاسلام حیث ما کان"(۹۸)

''مسلمان جہاں کہیں بھی ہو وہ اسلام کے احکام کا پابند ہے۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ان دلائل سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ احکام پر عمل کرنا منحصر ہو گا اس آزادی پر جو کسی مسلمان کو غیر مسلم ملک میں حاصل ہو گی اسی لیے مسلمان فقہاء کی رائے میں ایک مسلمان کے کسی غیر مسلم ملک میں کیئے گئے افعال مسلم ملک کی عدالت کے دائرہ کار میں نہیں آتے اسی طرح اگر کسی غیر مسلم نے کسی غیر مسلم ملک میں چوری یا قتل بھی کیا ہو تو وہ بھی مسلم ملک کی عدالت کے دائرہ کار سے باہر ہے(۹۹)۔

اگرچہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلمان ہر صورت میں اسلامی احکام کی پابندی کریں لیکن جب کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں جاتا ہے تو اس کی شرعی اہلیت (التکلیف الشرعی) کم ہو جاتی ہے اور وہ اسلامی احکام کا اس طرح مکلّف نہیں رہتا جس طرح وہ دارالاسلام میں ہوتا ہے۔ غیر مسلم ریاستوں میں مقیم مسلمانوں کو وہاں کے اصول وضوابط پر بھی عمل کرنا پڑتا ہے جتنے وہاں کے قواعد اسے اجازت دیں گے اتنا ہی وہ اسلامی احکام پر عمل کرنے کا پابند ہو گا۔ مثلاً اگر کسی غیر مسلم ملک اور مسلم ملک کے درمیان جنگ شروع ہو جائے تو غیر مسلم ریاست کے مسلم شہری کے لیے مسلم ریاست کی مدد کرنا ضروری نہیں ہو گا(۱۰۰)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلام کی ابتدائی صدیوں کے کئی ایسے مسلمان گروہوں (Communities) کا ذکر کر کیا ہے جو غیر مسلم ممالک میں مقیم تھے اور وہاں پر اسلامی قوانین پر عمل کرتے تھے۔ لیکن اسلامی قوانین پران کے عمل کا انحصار وہاں کی مقامی حکومت کے رویے پر تھا۔ جن ملکوں میں مسلمانوں کو اسلامی قوانین پر زیادہ عمل کرنے کی اجازت تھی وہ زیادہ عمل کرتے تھے اور جس جگہ کم وہ کم عمل کرتے تھے(۱۰۱)۔

(د) ایک مسلم ریاست کے شہری دوسری مسلم ریاست میں

تمام مسلمان امت مسلمہ کا حصہ ہیں۔ امت مسلمہ کا مختلف ممالک میں تقسیم ہونا فقہاء نے بأمرمجبوری ہی جائز قرار دیا ہے(۱۰۲)۔ مختلف اسلامی ممالک کے شہری مسلمان ریاستوں کے درمیان سفر کرتے تھے اور ان کو اس سفر کے دوران کسی خاص قانونی کارروائی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا اور عموماً غیر ملکی مسلمانوں کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا تھا جو کہ مقامی باشندوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ گویا کہ قانون کی نظر میں مقامی اور غیر مقامی مسلم دونوں برابر تھے(۱۰۳)۔

(ھ) اسلامی ریاست میں عارضی طور پر مقیم غیر مسلم غیر ملکی

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں دوستانہ تعلقات رکھنے والی ریاستوں کے باشندوں کو اسلامی مملکت (دارالاسلام) میں داخلے کے لیے پاسپور ٹ کا قانون یہ تھا کہ وہ باشندے بغیر کسی دستاویز کے دارالاسلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ایسے افراد کے اہل خانہ ان کا متاع اور ان کے خدام کو بھی یہ اجازت حاصل تھی(۱۰۴)۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن میں غیر ملکیوں کو بغیر کسی پیشگی کاروائی کے اسلامی ریاست میں آنے کی اجازت دی گئی(۱۰۵)۔ یہ اجازت درج ذیل صورتوں میں ختم کی جا سکتی ہے۔

۱۔ رہائش کی مقررہ مدت ختم ہونے پر ۔
۲۔ اسلامی ریاست میں داخلہ کی شرائط کی خلاف ورزی پر۔
۳۔ جعلی دستاویزات کی برآمدگی پر
۴۔ مسلمانو ں کے خلاف سازش کرنے پر(۱۰۶)۔

عام طور پر اسلامی ریاست میں مقیم غیر ملکیو ں کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جو اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے ساتھ تھا۔ ایسے غیر ملکی اسلامی عدالتوں کے دائرہ کار میں داخل تھے۔ تاہم ان کے کئی شخصی معاملات میں اسلامی قوانین لاگو نہیں ہوتے تھے اور انھیں ایسے کئی افعال کی آزادی تھی جو کہ مسلمانوں کے لیے حرام ہیں مثلاًوہ لوگ شراب پی سکتے ہیں۔ اس ضمن میں امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کے درمیان اختلاف ر ائے بھی ہے۔ امام ابو یوسف کے خیال میں شراب نوشی کے علاوہ باقی تمام قوانین اسلامی ریاست میں مقیم غیر ملکی پر لاگو ہوں گے جب کہ امام الشیبانی حقوق اللہ اور حقوق العباد میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقوق العباد کی خلاف ورزی پر تو اسلامی ریاست میں مقیم غیر ملکی کے خلاف کارروائی ہو گی جب کہ حقوق اللہ میں انھیں استثناء حاصل ہو گا(۱۰۷)۔

(ء) سربراہ حکومت

بین الاقوامی اسلامی قوانین کی رو سے سربراہ مملکت کو خاص امتیازات حاصل ہوتے ہیں اس ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ اسلامی قانون کئی دوسرے نظام ہائے قوانین کے برعکس جو یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا سربراہ حکومت کو قانون کے آگے جوابدہ قرار دیتا ہے۔ اسلامی قانون کی

رو سے اگر کوئی سربراہ حکومت اپنی شخصی حیثیت میں غلطی کرے گا تو اس سے قانون کے مطابق ایسا ہی سلوک ہو گا جیسا کہ کسی دوسرے عام شہری سے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں کئی مثالیں قائم کی ہیں۔ آپ نے ذاتی معاملات میں اپنی ذات کو قصاص کے لیے پیش کیا۔ آپ کی اس سنت پر حضرت ابو بکر، حضرت عمر،حضرت عثمان،حضرت علی رضی اللہ عنھم اور دوسرے کئی خلفاء نے بھی عمل کیا۔ خلفاء اسلام اور مسلمان حکمرانوں کے اسی طرز عمل سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا کہ:

"**ان الإمام لا یکون قاضیا فی حق نفسه**"(۱۰۸)

"کہ حکمران اپنے حق میں قاضی نہیں ہو سکتا۔"

خلفاء راشدین کے علاوہ عباسی خلیفہ منصور اور اندلسی خلفاء ہشام اور الداخل مختلف مواقعوں پر عام عدالتوں کے سامنے خلیفہ ہونے کے باوجود پیش ہوتے رہے اور عدالتوں میں سربراہ حکومت ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ کوئی استثنائی سلوک نہیں کیا جاتا تھا(۱۰۹)۔

(ی) مسلح افواج

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ غیر ملکی مسلح افواج جب حملہ کی غرض سے اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں تو وہ اسلامی حکومت کے دائرہ کار سے باہر ہیں اسی طرح اگر اسلامی افواج غیر ملکی سر زمین پر حملہ کی غرض سے جمع ہوں تو وہ اس ملک کی jurisdiction سے باہر ہیں اور مسلح افواج کے پڑاؤ یعنی کیمپس چاہے وہ کسی بھی ملک کی سر زمین پر کیوں نہ ہوں اس سر زمین کا حصہ سمجھے جائیں گے جس کی مسلح افواج وہاں مقیم ہواور پڑاؤ یا کیمپ کے اندر اسی ملک کا دستور نافذالعمل تصور کیا جائے گا(۱۱۰)۔

3.4) ریاستوں کے درمیان برابری

اسلامی قانون ریاستوں کے حقوق و فرائض کے حوالے سے قطع نظر ان کی ضخامت کے ان کے درمیان برابری کا قائل ہے۔ اس فکری برابری کے باوجود عملی طور پر ریاستوں کا داخلی نظام ان کا داخلی استحکام، دفاعی قوت اور عمومی طاقت ریاستوں کی بین الاقوامی حیثیت اور ان کے باہمی تعلقات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے بعض اوقات سرکاری مراسلات میں برابری کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور کے تمام اہم سربراہوں کو مراسلات روانہ کئے تھے۔ ان میں کئی سربراہوں کی ریاستیں بہت وسیع تھیں اور کئی کی بہت مختصر لیکن رسول اللہ ﷺ نے سب کو خطوط یکساں

احترام کے ساتھ روانہ کئے اور تمام ریاستوں کے سربراہوں کو ان کے رسمی القابات official titles سے مخاطب کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ خطوط اعلی سفارت کاری کا بہترین نمونہ ہیں[۱۱۱]۔

رسول اللہ ﷺ نے برابری کے عمومی اصول کے حوالے سے حفظ مراتب (پروٹو کول) کی حسب ذیل ہدایات جاری فرمائی ہیں ۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یسلم الصغیر علی الکبیر والمار علی القائد والقلیل علی الکثیر"[۱۱۲]

چھوٹا بڑے کو سلام کرے ، چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے اور زیادہ تعداد والے کم تعداد والوں کو سلام کریں ۔

3.5) سفارتی تعلقات

سفارتی تعلقات کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ قدیم زمانے سے ہی ملکوں اور قوموں کے درمیان سفراء کا تبادلہ ہوتا تھا اور انھیں خاص قسم کے حقوق حاصل تھے اس ضمن میں علامہ السرخسی لکھتے ہیں۔

"سفراء کو امان حاصل ہے تاکہ وہ اپنے فرائض ادا کر سکیں۔ یہ رسم جاہلیت اور اسلام دونوں میں جاری ہے کیونکہ جنگ اور صلح کے معاملات سفراء کے بغیر حل نہیں کئے جا سکتے۔ اگر انھیں دونوں طرف سے امان نہ دی جائے گی تو وہ اپنے فرائض ادا نہ کر سکیں گے۔"[۱۱۳]

سفراء کی اسی اہمیت کو فقہاء اسلام نے تسلیم کیا ہے اور انہوں نے کئی صدیوں پہلے سفراء کے لیے وہ امتیازات اور سہولتیں فراہم کر دیں جو جدید بین الاقوامی قانون میں ۱۹۶۱ء کے ویانا کنونشن سے پہلے موجود نہ تھیں۔ اسلامی قانون کی رو سے سفارتی تعلقات کے حوالے سے اہم قواعد و ضوابط کا مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ا۔ جان کا تحفظ

اس اصول کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ آپ نے مسیلمہ کذاب کے سفراء سے فرمایا:

"امنت باللہ لو کنت قاتلاً رسولاً قتلتکما"

(اگر میں نے سفراء کو قتل کروانا ہوتا تو میں تمھیں قتل کروا دیتا)۔

اس حدیث سے ابن مسعود استنباط کرتے ہیں :

"السنة ان الرسل لا تقتل"

"سنت یہ ہے کہ سفراء کو قتل نہیں کیا جاتا"(۱۱۴)

فقہاء اسلام نے رسول اللہ ﷺ کی ذات سے سفراء کی جان کے تحفظ کا اصول اخذ کیا ہے(۱۱۵)۔

ii۔ عقیدہ کی آزادی

عقیدہ کی آزادی کا اصول اسلام میں تمام لوگوں کے لیے ہے کیونکہ اس کی بنیاد قرآنی اصول ﴿**لا اکراہ فی الدین**﴾ پر ہے اور اس میں سفراء بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں نجران کے عیسائی سفراء کو اپنے عقائد کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی تھی(۱۱۶)۔

iii۔ ٹیکس کی ادائیگی سے استثناء

فقہ اسلامی کی رو سے سفراء سے کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ اس ضمن میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

"اذا دخل الینا حربی و اقام مدة طویلة لا نأخذ منه شیئا لمامضی"(۱۱۷)

"اگر کوئی حربی ہمارے ھاں آیا اور طویل مدت کے لیے مقیم رہا تو اس مدت کے لیے اس سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا"

مختصر یہ کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حالت امن کے بین الاقوامی اسلامی قوانین کے ضمن میں اپنی تحریروں میں آزادی و خودمختاری، ریاستوں کے وجود ان کی ملکیتوں، دائرہ کار اور ان کے درمیان تعلقات کی نوعیت کی وضاحت کی ہے نیز سفارتی تعلقات کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو بیان کیا ہے۔

4۔ بین الاقوامی اسلامی قانون میں حالت جنگ کے قواعد و ضوابط

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا خیال ہے کہ امن اور جنگ دونوں حالتیں انسان کے ساتھ ناگزیر حیثیت سے منسلک ہیں۔ اسلامی تعلیمات نے جنگ کو زیادہ انسانی بنایا ہے(۱۱۸)۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریروں میں حالت جنگ کے جن اسلامی قوانین پر روشنی ڈالی ہے اس کی مزید تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

4.1) غیر دوستانہ تعلقات کی مختلف نوعیتیں

ریاستوں کے درمیان غیر دوستانہ تعلقات کا لازمی نتیجہ جنگ نہیں ہوتی بلکہ یہ غیر دوستانہ تعلقات جنگ کی بجائے مختلف غیر دوستانہ Reprisel اعمال کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ مثلاً دوسرے ملک کے اثاثوں پر قبضہ کر لینا یا سفراء کو زیر حراست لے لینا یا مخالف ممالک کے علاقہ پر قبضہ کر لینا جیسے افعال غیر دوستانہ تعلقات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَااعْتَدَىٰ عَلَيْكُم وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾(۱۱۹)

(پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی انھوں نے تمھارے ساتھ کی۔ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔)

غیر دوستانہ تعلقات کی دوسری صورت کا نتیجہ دشمن کی سرحدوں یا بندرگاہوں کی ناکہ بندی وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ تیسری صورت میں کئی دوسرے متفرق اقدامات جیسے سفارتی تعلقات کو ختم کر دینا، سفراء کو واپس بلا لینا، باہمی معاہدات پر عمل درآمد نہ کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

4.2) جنگ کی تعریف اور نوعیت

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلامی نقطہ نظر سے جنگ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اسلامی قانون میں اس کی نوعیت کی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جنگ کے لیے مسلمان فقہاء نے جہاد کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جہاد کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء کہتے ہیں۔

''قانونی اصطلاح میں جہاد سے مراد اللہ کی راہ میں بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ جان، مال، زبان اور دوسرے ذرائع سے لڑائی کرنا ہے(۱۲۰)۔''

تقریباً تمام فقہاء نے جہاد کی اسی قسم کی تعریف کی ہے۔ فقہاء کے نزدیک جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَولَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرقَةٍ مِّنهُم طَائِفَةٌ لِيَتَّفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُم إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾(۱۲۱)

(اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جائے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ

حاصل کریں اور تا کہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب وہ ان کے پاس آئیں ڈرائیں تا کہ وہ ڈر جائیں)

فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کی بجائے لوگوں کی ایک مخصوص تعداد جہاد کے لیے نکل کھڑی ہو۔ڈاکٹر محمد حمیداللہ استنباط کرتے ہیں کہ فرض کفایہ ہونے کی حیثیت سے ضروری ہے کہ جہاد کی تمام ترکمان حکومت کے ہاتھ میں ہو۔

میثاق مدینہ کی رو سے بھی جنگ کا تمام تر اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہی تھا اور وہی مسلمانوں اور غیر مسلموں کی طرف سے جنگ کے آغاز کا اختیار رکھتے تھے۔ امام ابو یوسف اس ضمن میں کہتے ہیں کہ:

"لا تسری سریة بغیر إذن الإمام اومن یولیه علی الجیش ولا تحمل رجل من عسکر المسلمین علی رجل من المشرکین ولا یبارزه الا باذن امیرالجیش"(۱۲۲)

"کوئی جنگی کاروائی مسلمانوں کے حاکم یا اس کے مقررکردہ فوجوں کے کمانڈر کی اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔ مسلمانوں کے لشکر میں سے کوئی سپاہی مشرکین کے لشکر پر انفرادی حملہ یا مبارزہ بھی کمانڈر کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا"۔

الماوردی کے خیال میں بھی جنگ بغیر خلیفہ کی اجازت سے شروع نہیں کی جا سکتی۔ امام الشیبانی اس سے بھی ایک قدم آگے گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر دشمن کی مسلح افواج اپنے حکمران کی اجازت کے بغیر مسلمانوں پر حملہ کر دیں تو اسے اعلان جنگ تصور نہیں کیا جائے گا(۱۲۳)۔ بلکہ سفارتی ذرائع سے اس کی تصدیق کی جائے گی اور جس قسم کے اقدامات کی ضرورت ہو گی انھیں اختیار کیا جائے گا۔ اسلامی قانون کی رو سے جنگ ایک لازمی اور ضروری چیز نہیں ہے۔ بلکہ اسلام تو اس کی اجازت صرف اسی صورت میں دیتا ہے جب اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ ارشاد باری تعالی ہے؛

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾(۱۲۴)

(اور اگر وہ صلح کی خواہش کریں تو ان کی بات مان لو اور اللہ پر توکل کرو بے شک وہ سننے والا اور علم والا ہے)

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تمنوا لقاء العدو،فاذا لقیتموهم فاصبروا"(۱۲۵)

"دشمن سے مڈ بھیڑ کی خواہش نہ کرو۔ لیکن اگر ایسا ہو جائے تو پھر صبر کرو۔"

جنگ کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے حسن ابن عبداللہ العباسی (م۸۱۰ھ) کہتے ہیں۔

"الحروب هی عوارض من حوادث الزمان كالّامراض، كما ان الأ من والسلامة صالّحةِ للاجساد، فیجب حفظ الصحة بالامور السیاسیة و دفع المرض بالامور الحربیة و لا شتغال یحفظ الصحة"[۱۲۶]

"جنگیں بیماریوں کی طرح حوادث زمانہ کے ایسے ہی عوارض میں سے ہیں جیسے امن اور سلامتی جسموں کے لیے مفید ہے۔ پس ضروری ہے کہ صحت کا سیاسی امور سے تحفظ کیا جائے اور امراض کو جنگی امور سے دور کیا جائے کیونکہ اس سے صحت کی حفاظت ہوتی ہے۔"

4.3) مشروعہ جنگیں

اسلامی قانون کی رو سے ہر جنگ جائز اور قانونی نہیں ہے۔ اس ضمن میں قرآن پاک میں ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿وَ قَاتِلُوا فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾[۱۲۷]

(لڑ اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)

سورۃ البقرہ کی درج بالا آیت اور اس سے بعد کی آیتوں میں مشروعہ جنگوں کی اقسام بیان ہوئی ہیں ان آیات سے استنباط کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ درج جنگوں کو مشروع جنگیں قرار دیتے ہیں۔

۱۔ اللہ کی راہ میں کی جانے والی جنگ

۲۔ دفاع کے لیے لڑی جانے والی جنگ

۳۔ کسی پر زیادتی کے بغیر کی جانے والی جنگ

۴۔ اسلامی ریاست کے باشندوں کے تحفظ کے لیے کی جانے والی ایسی جنگ جس کے ذریعہ دشمن سے مقبوضہ علاقہ واپس لیا جائے۔

۵۔ بیت اللہ میں جنگ کی سوائے دفاعی صورت کے اجازت ہرگز نہیں ہے۔

۶۔ معاہدات کے تحفظ کے لیے ۔

۷۔ غیر مسلموں کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے ۔

ڈاکٹر حمیداللہ نے جائز جنگوں کی ان قسموں کی تفصیل سے وضاحت Muslim conduct of state کے صفحات ۱۶۲ تا ۱۶۵ میں کی ہے۔

4.4) دشمنوں کی اقسام

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے فقہ اسلامی کے معتبر مصادر سے استشہاد لیتے ہوئے اسلامی قانون کی رو سے قرار دیئے گئے دشمنوں میں مرتدوں، باغیوں اور بحری قزاقوں کو بھی شامل کیا ہے۔ اس ضمن میں مزید تفاصیل حسب ذیل ہیں۔

الف۔ مرتد

جدید مغربی دنیا اور کمیونسٹ قوانین بھی ان لوگوں کو سخت سزا دیتے ہیں جو ان کی قومی وحدت کو نقصان پہنچائیں۔ اس قسم کے جرائم کو raison d'etre کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بیز نطینی قانون کی رو سے بھی جو عیسائیت سے مرتد ہو اس کی سزا موت ہے۔ اسلام جو کہ ایک مہذب اور منظّم تنظیم ہے کے اس حق سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص ارتداد کے ذریعے اس کی وحدت و سالمیت کے درپے ہو اسے سخت سزا دے[۱۲۸]۔ اسلامی قانون کی رو سے ارتداد سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی اور مذہب کو اختیار کرے یا اسلام کے بنیادی ارکان میں سے کسی ایک رکن کا انکار کرے[۱۲۹]۔

ارتداد کی سزا قرآن و سنت رسول ﷺ خلفاء راشدین کے متواتر عمل اور صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے۔ مرتد سے اسلام کی طرف لوٹ آنے یا موت کی سزا کے علاوہ کوئی دوسری چیز قابل قبول نہیں ہے۔ مرتد کو ارتداد کے فورا بعد سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کے اسلام کے متعلق اگر کوئی شبہات ہوں تو انھیں دور کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اسی طرح اسے غور و فکر کے لیے بھی وقت دیا جائے گا۔ تاہم اس کے باوجود اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ کر نہ آئے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ دوسرے محاربین کے برعکس مرتد کو نہ تو غلام بنایا جائے گا نہ اسے بطور ذمی اسلامی ریاست میں رہنے کا حق حاصل ہو گا اور نہ ہی اسے امان دی جا سکتی ہے[۱۳۰]۔ مرتد کو سزا کے بعد اس کی جائیداد اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم کر دی جائے گی۔

ب۔ باغی اور خانہ جنگی کے مرتکب

اسلامی قانون اسلام کی وحدت پر یقین رکھتا ہے اس لیے اس کی رو سے بغاوت، خانہ جنگی اور علیحدگی ممنوع ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ إِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوا فَأَصلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحدَاهُمَا عَلَى الأُخْرىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِى تَبغِى حَتَّى تَفِيءَ إِلٰى أَمرِاللّٰهِ فَإِنْ فَاءَ تْ فَأَصلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالعَدْلِ وَ أَقْسِطُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقسِطِيْنَ. إِنَّمَا الْمُؤمِنُونَ إِخوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيكُمْ وَاتَّقُوااللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[۱۳۱]

(اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دو اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع نہ کر لیں اور اگر وہ رجوع کر لیں تو ان کے درمیان عدل سے صلح کروا دو۔ عدل کرو بے شک اللہ تعالی عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بے شک مومن بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروا دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کرے)

باغیوں سے متعلق اسلامی قوانین کی زیادہ تر بنیاد حضرت علیؓ کا عمل ہے۔ ان کے دور میں مسلمانوں کے درمیان کئی مرتبہ جھگڑا ہوا۔ حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ کی حضرت علیؓ سے جنگیں ہوئیں اور یہیں سے اسلامی قانون میں باغیوں سے متعلق قواعد وضوابط کا آغاز ہوا۔ باغیوں میں مذہبی بنیادوں پر مخالفت کرنے والے جیسے خارجی اور سیاسی مخالف جو کہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہوں شامل ہیں۔ مذہبی مخالفت کی بنیاد پر علیحدگی اختیار کرنے والے اجتماعی قیادت کا انکار نہ کر رہے ہوں تو ان کو دوسرے اسلامی فرقوں کی طرح رہنے کا اختیار حاصل ہے اور ان سے لڑائی نہیں کی جائے گی[۱۳۲]۔ سیاسی مخالفت اگر بغاوت کی شکل اختیار کر لے اور باغی کچھ علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیں تو پھر ان سے لڑائی ضروری ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ کے دور میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے ساتھ کیا گیا۔

باغیوں کو قتل وغیرہ کی سخت سزا نہیں دی جا سکتی تاہم انھیں دوران لڑائی قتل کیا جا سکتا ہے[۱۱۳۳]۔ باغیوں کے ساتھ لڑائی سے پہلے انھیں مسلمانوں کے اجتماع میں دوبارہ شامل ہونے کی

دعوت دی جائے گی تاہم اگر لڑائی شروع ہو جائے تو پھر ان کے ساتھ بھی غیر مسلم محاربین کا سا سلوک کیاجائے گا۔ اصل مقصد ان کو قتل کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے شر سے اسلامی وحدت کو پہنچنے والے نقصان سے بچنا ہے۔ باغیوں کو مرتدوں کے برعکس امان دی جا سکتی ہے۔ ان کے دوران لڑائی مارے جانے والوں کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ ان کے قیدیوں کو قتل نہیں کیا جاتا۔ ان کو بغیر کسی تاوان کے رہا کیا جا سکتا ہے۔ ان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا(۱۳۴)۔

ج۔ بحری قزاق اور بین الاقوامی ڈاکو

ڈاکٹر محمد حمید اللہ استنباط کرتے ہیں کہ اسلام کے بین الاقوامی قانون کی رو سے معاشرے کے خلاف جرائم جیسے ڈاکہ اور قزاقی وغیرہ اسلامی ریاست کے خلاف جرائم شمار ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں مقیم ڈاکو اور قزاقوں کامعاملہ اسلام کے قانون جرم و سزاکے مطابق طے کیا جاتا ہے جب کہ غیر ملکی مجرموں کو جو کہ اسلامی ریاست کے علاقہ یا اس کی سمندری حدود میں مسلمانوں کونقصان پہنچائیں بین الاقوامی اسلامی قانون کے دائرہ کار میں شامل سمجھا جاتا ہے(۱۳۵)۔

اس ضمن میں قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَاداً أَنْ يُقَتَّلُوْا أَوْيُصَلَّبُوْا أَوْ تُقَطَّعَ أَيدِيْهِمْ وَ أَرجُلُهُمْ مِّنْ خِلٰفٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الأَرْضِ ذَلِکَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الأٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾(۱۳۶)

(جواللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے)

اس آیت سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ :

۱۔ قتل کرنے والے اور ڈاکہ ڈالنے والے کو پھانسی دینے کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔

۲۔ جس نے صرف قتل کیا ہو اور ڈاکہ نہ ڈالا ہو اسے قتل کیا جائے گا۔

۳۔ جس نے صرف ڈاکہ ڈالا ہو اور کسی کو قتل نہ کیا ہو تو مخالف سمتوں سے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے۔

۴۔ جو ڈاکوؤں کے ساتھ ڈاکے کی نیت سے شریک ہو لیکن اس نے نہ تو ڈاکہ ڈالا ہو اور نہ ہی قتل

کیا ہو تو اس کی سزا کا تعین حکومت کی صوابدید پر ہو گا(۱۳۷)۔

اگر اسلامی ریاست کا کوئی باشندہ کسی دوسری ریاست میں ڈاکے کا ارتکاب کرے تو اس کا مقدمہ اس اسلامی ملک کی عدالت نہیں سن سکتی تاہم ایسے مجرم کو جس ریاست میں جرم کا ارتکاب کیا گیا اس کے سپرد کیاجاسکتا ہے بشرطیکہ ایسا کرنے کا معاہدہ اس ریاست اور اسلامی ریاست کے مابین موجود ہو(۱۳۸)۔

اسلامی قانون کی رو سے دشمنوں کی اقسام بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیان کرتے ہیں کہ عموماً ڈاکوؤں اور قذاقوں کا معاملہ باغیوں کی طرح ہے۔ سوائے اس کہ ان کو ہر صورت میں سزا دینی ضروری ہوتی ہے اور یہ کہ یہ مڈبھیڑ سے پہلے اور بعد میں کئے جانے والے تمام اعمال کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

4.5) اعلان جنگ اور اس کے اثرات

جوابی حملہ یا دفاعی اقدام کے طور پر اعلان جنگ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ عام حالات میں مسلمان اس وقت تک جنگ کا آغاز نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ دشمن کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت نہ دے لیں(۱۴۰)۔ تاہم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے میں درج ذیل صورتوں میں اعلان جنگ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۱۔ جب دشمن فوجوں کے ساتھ اچانک مڈبھیڑ ہو جائے اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جنگ بندی کا معاہدہ بھی نہ ہو۔ اہل مکہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی کارروائی اسی نوعیت کی تھی۔

۲۔ حفظ ما تقدم کے طور پر کی جانے والی لڑائی جس کا مقصد دشمن کی کارروائی کو روکنا ہو۔ بنو مصطلق خیبر اور حنین کی رسول اللہ ﷺ کی جنگیں اسی نوعیت کی تھیں۔

۳۔ تادیبی کارروائی کے طور پر کی جانے والی جنگ جس میں کسی ریاست کو معاہدہ توڑنے یا اسلامی ریاست کے خلاف کسی سازش کی بنیاد پر سزا دینا ضروری ہو، بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنونضیر کے خلاف جنگیں اسی نوعیت کی تھیں(۱۴۱)۔

درج بالا صورتوں کے علاوہ باقی حالات میں بغیر اعلان جنگ کے جنگ کا آغاز درست نہیں ہے۔ اعلان جنگ کے ساتھ ہی دشمن کی تمام شخصیات اور اس کی پراپرٹی کو حالت جنگ میں تصور کیا

جائے گا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اعلان جنگ کے درج ذیل فوری اثرات کو اپنی تحریر کا موضوع بنایا ہے۔

الف۔ اعلان جنگ کے عمومی اثرات

اعلان جنگ کے ساتھ ہی دوستانہ تعلقات ختم ہو جائیں گے، سفارتی تعلقات ختم کر دیئے جائیں گے اور مسلح افواج کو دشمن کے ساتھ لڑائی کا حق حاصل ہو جائے گا۔ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر شہریوں کو دشمن ملک جانے سے منع کر دیا جائے گا۔ حضرت حاطب کی مثال اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہے جنھوں نے دشمن کو کچھ اطلاعات پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اسلامی ریاست نے یہ کوشش ناکام بنا دی تھی(۱۴۲)۔

ب۔ تجارتی تعلقات پر اعلان جنگ کے اثرات

یمامہ کے قبائلی سردار نے جب اسلام قبول کر لیا تو اس نے اعلان کیا کہ اب قریش مکہ کو خوراک کی اس کے علاقہ کے ذریعے سپلائی نہیں کی جائے گی۔ اس پابندی کے نتیجے میں یمامہ میں قحط کی صورت حال پیدا ہوگئی۔ اہل مکہ نے اس پابندی کو ہٹوانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی(۱۴۳)۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اہل یمامہ سے خوراک کی سپلائی بحال کروا دی بلکہ اہل مکہ کے لیے کھجوریں بھی بطور تحفہ بھجوائیں اور ان کی مالی مدد بھی فرمائی(۱۴۴)۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ تجارتی تعلقات کو برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار اسلامی حکومت کی اس وقت کی پالیسی پر منحصر ہو گا۔

ج۔ قرضوں اور امانتوں پر اعلان جنگ کے اثرات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے کے قرضوں کو آج کے بین الاقوامی قرضوں پر قیاس کرنا شاید بہت مشکل ہو لیکن پھر بھی صدر اسلام کی کچھ مثالوں سے اس نوعیت کے معاملات پر رہنمائی مل جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تو آپ کے پاس لوگوں کی امانتیں موجود تھیں۔ اہل مکہ اگرچہ آپ کی جان کے دشمن تھے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی امانتیں آپ کے پاس ہی رکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی جگہ حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا دیا اور انھیں حکم دیا کہ تمام امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچائیں(۱۴۵)۔

بنو نضیر کے یہود کو جب مدینہ سے نکالا گیا تو انھیں یہ حق دیا کہ وہ اپنی تمام منقولہ جائیداد اپنے

ہمراہ لے جا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے ذمے قرضوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ طے فرما دیا کہ یہ واجب الاداء رہیں گے اور یہودی مقررہ وقت پر ان قرضوں کو وصول کرنے کے حق دار ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ساتھ ہی یہ بھی اجازت دے دی کہ اگر یہودی ان قرضوں کی فوراً ادائیگی چاہتے ہیں تو وہ نئے معاہدات کے ذریعے یا ادائیگی میں کچھ کمی کے ذریعے ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ﴿صنعوا و تعجلوا﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے تھے(۱۴۶)۔

ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اعلان جنگ کے باوجود اسلامی مملکت قرضوں اور امانتوں کی ادائیگی وغیرہ کی پابند ہو گی۔

د۔ اعلان جنگ کے معاہدات پر اثرات

محض اعلان جنگ سے تمام معاہدات باطل نہیں قرار پائیں گے مختلف قسم کے معاہدات کی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول اس کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

- i۔ وہ معاہدات جن کے مقاصد حاصل کر لیے گئے ہوں جیسے سرحدوں کا تعین وغیرہ کیا گیا ہو برقرار رہیں گے۔
- ii۔ اعلان جنگ کی صورت میں دوستی، باہمی تعاون اور مدد کے معاہدات کالعدم سمجھے جائیں گے۔
- iii۔ ایسے معاہدات جو صرف حالت جنگ کے معاملات کو منظّم کرنے کے لیے ہوتے ہیں جیسے دوران جنگ اخلاقی رویے، رابطے کے ذریعے اور دوران جنگ مذاکرات کنندہ کی حفاظت وغیرہ کے معاہدات اعلان جنگ کے ساتھ ہی نافذالعمل سمجھے جائیں گے۔
- iv۔ تجارتی معاہدات، کسٹم ٹیکس وغیرہ کے معاہدات حکومتوں کی صوابدید پر ہوں گے(۱۴۷)۔
- v۔ امن و سکون اور دوستانہ تعلقات کے معاہدات جیسے کہ صلح حدیبیہ وغیرہ جنگ کے ساتھ ہی ختم سمجھے جائیں گے اور جنگ کے بعد دوبارہ اس قسم کے معاہدات کی ضرورت ہو گی(۱۴۸)۔

4.6) دوران جنگ دشمن ملک کے شہریوں سے سلوک

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خیال میں اسلامی قانون کی رو سے دوران جنگ دشمن ملک سے تعلق رکھنے والے شہریوں کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (الف) دشمن کے وہ شہری جو اسلامی ریاست میں بطور مستأمن مقیم ہوں۔ (ب) دشمن ملک کے عمومی شہری جو کہ جنگی علاقہ سے دور ہوں۔ (ج) دشمن کے وہ شہری جو علاقہ جنگ میں موجود ہوں۔ ان کے ساتھ برتاؤ کے متعلق اسلامی قانون کے احکام کی

تفصیل حسب ذیل ہے۔

الف۔ مستأمنین کے ساتھ سلوک

جنگ شروع ہو جانے کے باوجود دشمن کے وہ شہری جو اسلامی ریاست میں بطور مستأمنین تجارت وغیرہ کی غرض سے موجود ہوں کو تحفظ دیا جائے گا۔ انھیں اپنے ملک بمع اپنے مال و اسباب واپس جانے کی اجازت ہو گی۔ تاہم انھیں آلات جنگ وغیرہ ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ لیکن اگر ایسے لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو جو کہ دشمن کی مسلح افواج کی عددی قوت میں اضافے کا باعث بن سکتی ہو تو پھر انھیں جانے سے روکا جا سکے گا۔ اگر کوئی مستأمن سازش کرے یا دشمن کے لیے جاسوسی کرے گا تو اس کی امان ختم سمجھی جائے گی۔ اس طرح اگر کوئی واپس جا کر دشمن کی فوج کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہو جائے تو بھی اس کی امان ختم سمجھی جائے گی[۱۴۹]۔

ب۔ دشمن ملک کے باشندے

اپنے گھروں میں مقیم دشمن ملک کے باشندوں کو جنگ کے اثرات کا سامنا کرنا ہو گا۔ اگر ان کے علاقے مسلمان فتح کرتے ہیں تو مسلمان کمانڈروں کے ساتھ ان کے معاہدات کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے گا۔

ج۔ علاقہ جنگ میں موجود دشمن ملک کے شہری

علاقہ جنگ میں موجود دشمن کے محارب اور دوسرے شہریوں کو کسی قسم کا کوئی تحفظ حاصل نہ ہو گا۔ مسلمان فوجیوں کو یہ احکام تو دیئے جاتے ہیں کہ وہ محاربین اور جنگ میں غیر شریک شہریوں، بچوں، عورتوں، تاجروں، رپورٹروں، ڈاکٹروں اور غیر جانبدار افراد جو کہ جنگ میں براہ راست حصہ نہیں لیتے کا خیال ضرور رکھیں اور انھیں جان بوجھ کر بلاوجہ نقصان نہ پہنچائیں لیکن ان کے تحفظ کی کوئی ذمہ داری اسلامی ریاست پر نہ ہو گی[۱۵۰]۔

4.7) دوران جنگ ممنوعہ افعال

اسلامی قانون میں دوران جنگ کے ممنوعہ افعال پر بہت سا مواد موجود ہے۔ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے

اس مواد کا بڑی محنت سے تجزیہ کیا ہے چنانچہ ان کے خیال میں اسلامی قانون کی رو سے دوران جنگ ممنوعہ افعال میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

i۔ غیر ضروری تشدد اور ہلاکتیں منع ہیں اسی طرح غیر محاربین کا قتل منع ہے اور محاربین میں سے بھی صرف انھیں کو قتل کرنا درست ہے جو مسلمانوں کو جسمانی نقصان پہنچانے کا باعث بن سکتے ہوں جیسے کہ فقہاء کہتے ہیں۔

" المقاتلة من له بنية صالحة للقتال"

انھی کو دوران جنگ قتل کیا جانا چاہیے جو لڑائی کی زیادہ جسمانی اہلیت رکھتے ہوں(۱۵۱)۔
عورتوں بچوں، نوکروں، غلاموں، نابیناؤں، راہبوں، تارک الدنیا افراداور بوڑھوں کو جو کہ جنگ میں شریک نہ ہوں قتل کرنا درست نہیں ہے۔

ii۔ خیانت غدر اور فصلوں کو تباہ کرنا اور درختوں کو غیر ضروری کاٹنااور بلا ضرورت جانوروں کو ذبحہ کرنا بھی حرام ہے(۱۵۲)۔

iii۔ عورتوں کے ساتھ زنا کاری کی سخت ممانعت ہے اور ایسا کرنے والوں کو اسلامی قانون کے مطابق کوڑے مارے جائیں گے یا سنگسار کیا جائے گا۔ غیر مسلم والدین اگرچہ وہ دشمن کی فوج کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوں قتل نہیں کئے جائیں گے۔ تاجروں کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ دشمن کو جلانے وغیرہ کی ممانعت ہے اور مالکی فقہ کے مطابق دشمن کے خلاف زہریلے تیر بھی استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ تاہم حنفی فقہی امام الشیبانی کے نزدیک ایسا کیا جا سکتا ہے(۱۵۳)۔

4.8) دوران جنگ امان دینا

امان کے معنی کسی کو قتل کرنے یا غلام بنانے سے رک جانا ہے ۔ امان کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء کہتے ہیں:۔

"الامان التزام الكف عن التعرض لهم بالقتل والسبى حق الله تعالى"(۱۵۴)

انفرادی طور پر امان اس وقت دی جا سکتی ہے جب کوئی حربی اس کے لیے درخواست کرے۔ اگر حربی بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیں تو پھر انھیں جنگی قیدی کہا جائے گا۔ اسلامی حکومت چاہے تو اجتماعی امان بھی بغیر کسی طلب کے بھی دے سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو فتح مکہ کے بعد دی تھی(۱۵۵)۔

رسول اللہ ﷺ نے امان کے متعلق فرمایا؛

"المؤمنون تَکَافأً دِمَاؤُهم وَهُم یَدُ علی مَن سِوَاهُم یَسَعَی بِذِمَّتِهِم أَدنَاهُم"[۱۵۶]

مؤمنوں کے خون برابر ہیں اور وہ اپنے مخالفین کے لیے ایک ہاتھ کی طرح اور اپنے میں سے عام فرد کے دیے ہوئے ذمہ کے بھی ذمہ دار ہیں۔

اس حدیث کی رو سے مسلمانوں میں سے تو کوئی بھی امان دے سکتا ہے تاہم مسلمانوں کے ہمراہ لڑنے والے غیر مسلم کو امان دینے کا حق حاصل نہیں ہو گا[۱۵۷]۔ امان کی صورت اس کی نوعیت اور اس کی حدود کے متعلق تمام طے شدہ شروط جو کہ عقد امان کا حصہ تصور ہوں گی کااحترام کیا جائے گا[۱۵۸]۔

4.9) جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک

جنگی قیدی اور ان کے حقوق بین الاقوامی قانون کا اہم موضوع ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی بڑی تفصیل سے جنگی قیدیوں سے سلوک کے بارے میں اسلامی احکام پر گفتگو کی ہے۔ انہوں نے دشمنوں کے ہاتھوں جنگی قیدی بننے والے مسلمانوں اور مسلمانوں کے ہاں دشمن کے جنگی قیدیوں کے سلوک کے ضمن میں جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

الف۔ مسلمان جو کہ دشمن ملک میں جنگی قیدی ہو جائیں۔

مسلمان غیر مسلموں کو جنگی قیدی بنا سکتے ہیں اور غیر مسلم مسلمانوں کو مسلمان قیدی کے لیے ہدایات یہ ہیں کہ وہ اس حالت میں اپنے ایمان پر قائم رہے اور اگر ہو سکے تو وہ دشمن کی قید سے رہا ہونے کے لیے فرار بھی ہو سکتا ہے۔ اسلامی حکومت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمان قیدیوں کو رہا کروائے چاہے اس کے لیے اسے تاوان ہی کیوں نہ دینا پڑے۔ اس ضمن میں حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ:۔

"کل اسیر کان فی ایدی المشرکین من المسلمین ففکاکه من بیت مال المسلمین":[۱۵۹]

"مسلمانوں میں سے جو کوئی بھی مشرکین کا جنگی قیدی ہو اسے مسلمانوں کے بیت المال سے آزاد کرا دیا جائے"۔

مسلمان خلفاء نے کئی دفعہ مسلمان قیدیوں کو غیر مسلموں سے آزاد کروایا[۱۶۰]۔

ب۔ دشمن کے جنگی قیدی جو مسلمانوں کے ہاتھ آ جائیں۔

اسلامی قانون کے مطابق جنگی قیدی کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات پر صحابہ کا اجماع تھا[۱۶۱]۔ تاہم جن قیدیوں نے جرائم کاارتکاب کیا ہو ان کو ان کے جرائم کے مطابق سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ دوران قید قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا تھااور ان سے اچھے سلوک کی ہدایت فرمائی تھی[۱۶۲] امام ابو یوسف کے مطابق قیدیوں کو بلا معاوضہ کھانادیا جائے گا۔ ان کے متعلق حتمی فیصلے تک ان کی حفاظت کی جائے گی[۱۶۳]۔ قیدیوں کے متعلق اسلامی قانون کے احکام کو ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے کافی تفصیل سے بیان کیا ہے[۱۶۴]۔

4.10) دوران جنگ مباح اقدامات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ اسلامی قانون کی جامعیت اس چیزسے واضح ہوتی ہے کہ اس نے نہ صرف ممنوعہ افعال کاذکرکیا ہے بلکہ مباح افعال پر بھی تفصیلی احکامات دیئے ہیں جن کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:۔

i۔ دشمن کی کمین گاہ پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ جنگی مڈبھیڑ کے دوران حربی کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ زخمی کیا جا سکتا ہے اور اس کا پیچھا کیا جاسکتا ہے اور اسے گرفتار کر کے قیدی بنایا جا سکتاہے۔ رات کے وقت حملہ کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے حملے رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی معروف تھے۔ اس قسم کے حملوں میں اگر کوئی غیر محارب مارا جائے تو اس کے جواز کو بھی اسلامی قانون تسلیم کرتا ہے۔

ii۔ جنگ کے دوران دشمن کو اندھیرے میں رکھنے اور دھوکہ دینے کے لیے جنگی چالیں چلی جا سکتی ہیں۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**الحرب خدعة**"[۱۶۵] جنگی پروپیگنڈہ کیا جا سکتا ہے دشمن کی حربی چالوں کو جاننے کے لیے خفیہ ذرائع استعمال کئے جا سکتے ۔ دشمن کی صفوں میں ہمنوا بنانے کے لیے مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔ مکہ کے قحط میں رسول اللہ ﷺ نے مالی مدد فرمائی تو بعض مکہ والوں نے اس پر تبصرہ کیا کہ

"**ما يريد محمد بهذا الا ان يخدع شباننا**"[۱۶۶]

"محمد اس سے ہمارے نوجوانوں کو (نعوذ باللہ) ورغلانا چاہتے ہیں"۔

زکوۃ کی تقسیم میں مؤلفۃ القلوب کی حد رکھی گئی ہے فقہاء کے نزدیک اس کو بھی جنگی مقاصد میں

استعمال کیا جا سکتا ہے(۱۶۷)۔

iii۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر قسم کے جدید ہتھیار بنائے جا سکتے اور ان کو جنگ میں استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ اس ضمن میں قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے؛

﴿وَأَعِدُّ وا لَهُم مَّا استَطَعْتُمْ مِن قُوَّةٍ وّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّاللّٰهِ وَعَدُوَّ كُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تعلَمُوْ نَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾(۱۶۸)

(تم ان کے مقابلہ کے لیے اپنی طاقت بھر پور قوت کی تیاری کرو اور گھوڑے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی جنھیں تم نہیں جانتے اللہ انھیں خوب جان رہا ہے)

اسی لیے فقہاء کہتے ہیں۔

"ولا باس اللمسلمين ان يحرقوا حصون المشركين بالنار او يغرقوها بالماء وان ينصبوا عليها المجانيق وان يقطعوا عنهم الماء وان يجعلوا فى ماء هم الدم والعذرة والسم حتى يفسدوا عليهم"(۱۶۹)

"اور مسلمانوں کے لیے اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ دشمنوں کے قلعوں کو آگ سے جلائیں یا پانی میں غرق کر دیں یا ان پر مجانیق نصب کر دیں یا دشمنوں کا پانی بند کر دیں یا ان کے پانی کو ان کے لیے ناقابل استعمال کر دیں"۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ استنباط کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے قدیم ترین لٹریچر میں بھی جنگ کے دوران بھاری ہتھیاروں اور زہر ملی گیسوں کے استعمال کا بطور حربی ہتھیار ذکر ملتاہے۔"(۱۷۰)

iv۔ اسلامی قانون کی رو سے فضائی اور بحری لڑائی کی اجازت بھی موجود ہے۔ فضائی لڑائی نسبتاً جدیدمظاہر میں سے ہے۔ تاہم مسلمانوں نے فضاؤں کو مسخر کرنے کی کوشش ضرور کی تھیں اندلسی مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسلمان سائنسدان عباس ابن فرناس نے بازو پرپر لگا کر پہلی مرتبہ ہوا میں اڑنے کی کامیاب کوشش کی تھی(۱۷۱)۔ ان ابتدائی کوششوں کے بعد مسلمانوں نے فضائی قیادت کی کوششیں ترک کر دیں بعد میں یورپ نے انہی کوششوں کی بنیاد پر کامیابیاں حاصل کیں۔ اسلامی قانون میں اس بارے میں موادنہیں ملتا لیکن اسلامی ممالک نے عصر حاضر کے جن بین الاقوامی معاہدات میں شرکت کی اس کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے فضائیہ کے ذریعے اپنی حفاظت کو یقینی بنانا جائز اور لازمی ہے(۱۷۲)۔

بحریہ کا استعمال مسلمانوں کے ہاں قدیم ترین ہے۔ ۸۔ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے سمندر کو ترسیل مال اور معلومات کی فراہمی کے لیے استعمال کیا تھا[۱۷۳]۔ ۹ ہجری میں بحری قزاقوں کے سدباب کے لیے بحریہ کو استعمال کیا گیا[۱۷۴]۔ بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے شاندار بحری فوج تیار کی اور مسلمانوں کے بحری لشکروں نے دشمنوں کو شکستیں دیں ڈاکٹر محمد حمید اللہ ان مثالوں سے استنباط کرتے ہیں کہ ہم موجودہ دور میں سمندری جنگ کے لیے جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کرنا عین اسلامی ہو گا[۱۷۵]۔

vi۔ ابتداء میں مسلمان آرمی کی کوئی خاص یونیفارم نہ تھی تاہم جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو واضح طور پر مشرکین سے مختلف لباس کو بطور شناخت اختیار کرنے کا حکم دیا آپ نے فرمایا؛

(اِنَّ فَرقَ مَا بَینَنَا وَ بَینَ المُشرِکِینَ العَمَائِمُ عَلَی القَلَائِس)[۱۷۶]

''ہمارے اور مشرکوں کے درمیان ہمارے کندھوں پر موجود عماموں نے فرق کیا''

حضرت علی اور اسی طرح عباسی خلفاء مستأمن اور متوکل نے اپنے دور میں مسلم آرمی کے لیے خاص یونیفارم لازمی قرار دی[۱۷۷]۔

4.11) دشمن کی پراپرٹی

اسلامی قانون کی رو سے منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد چاہے وہ نجی ملکیت میں ہو یا قومی ملکیت میں ایک ملک کی حدود میں ہونے کی بنا پر اس ملک کی حکومت کی ملکیت میں داخل ہے کیونکہ قرآنی اصول کے مطابق اصل ملکیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

﴿إِنْ الأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَن يّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾[۱۷۸]

(بے شک زمین اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔)

اللہ کے نائب کی حیثیت سے حکمران کو اس پر تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے اسی بناء پر قانونی طور پر مسلمان علاقہ کے تمام حصوں پر مسلمان حکمران کی Authority ہوتی ہے۔ فقہاء کہتے ہیں۔

''ان نواحی دارالاسلام تحت ید امام دارالإسلام''

''دارالاسلام کے تمام علاقے مسلمان حکمران کی عمل داری میں ہوتے ہیں''۔

مفتوحہ علاقوں کی پراپرٹی کے بارے میں اسلامی قانون میں مختلف مثالیں ملتی ہیں۔ یہ مثال بھی موجود ہے کہ تمام اراضی کو ہتھیا لیا جائے اور اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یا جو زمین نجی ملکیت میں ہو اسے اس کے مالکوں کے پاس رہنے دیا جائے اور جو زمین سرکاری ملکیت میں ہو اسے اسلامی حکومت کی ملکیت قرار دے دیا جائے۔ زمین کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اصل اہمیت اس معاہدہ کی شرائط کو ہو گی۔ جس کے تحت اسلامی حکومت مفتوحہ علاقے کا کنٹرول سنبھالے گی[۱۷۹]۔

دشمن سے جو مال غنیمت حاصل ہو گا اس کی تقسیم کا قانون قرآنی آیت کی بنیاد پر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَأَنّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُربٰی والیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾[۱۸۰]

(جان لو کہ تم جس قسم کی جو غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ تعالیٰ کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے)

اس آیت کی رو سے مال غنیمت (جو کہ لڑائی کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئے) حکومت اور مسلح افواج کے درمیان 4/5 اور 1/5 کی نسبت سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ وہ مال جو بغیر لڑے حاصل ہو جائے اسے فے کہا جاتا ہے۔ یہ سارا مال حکومت کے خزانے میں جائے گا اور حکمران کی صوابدید پر اس کا استعمال ہو گا[۱۸۱]۔ مالِ غنمیت اور مفتوحہ علاقوں کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تفصیلی بحث کی ہے[۱۸۲]۔

4.12) جنگ کے اسلامی قانون میں متفرق احکامات

اسلامی قانون کی رو سے عورتیں جنگوں میں شریک ہوسکتی ہیں۔ اور مسلح افواج کے ساتھ ضروری خدمات سر انجام دے سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں خواتین جنگوں میں شریک ہوتی تھیں۔ پانی پلانا' زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا' کھانا پکانا' زخمیوں اور شہیدوں کو اٹھانا اور اس کے علاوہ دوسری خدمات سر انجام دینا ان کے فرائض میں شامل تھا[۱۸۳]۔ عورتیں براہ راست لڑائی میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی نے ایک یہودی کو خود مارا تھا[۱۸۴]۔ جنگ قادسیہ میں سینکڑوں کی تعداد میں عورتوں نے حصہ لیا اور ایک مرتبہ عورتیں اس طرح آئیں جیسے کہ مسلمانوں کی نئی تازہ دم کمک آ گئی ہوئی[۱۸۵]۔ حضرت علی کے خلاف جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ نے عورتوں کی

فوج کی قیادت خود فرمائی تھی۔ انہی مثالوں کی بناء پر فقہاء اسلام کہتے ہیں۔

”والحرة تجوز أن تخرج الی ا لغزو مع المحرم فتداوی الجرحی و تقوم علی المرضی ولا تخرج بغیر اذن المحرم عجوزا کانت أو شابة“[۱۸۶]

”آزاد عورت جوان ہو یا عمر رسیدہ کے لے جائز ہے کہ محرم مردوں کے ساتھ لڑائی کے لیے نکلے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرے اور بیماروں کی تیمار داری کرے۔ ان کی اجازت کے بغیر جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔“

اسلامی قانون کی رو سے مُردوں کا احترام لازمی ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور دشمن کے مُردوں کو واپس کر دیا جائے گا اور ان کی کوئی قیمت بھی وصول نہیں کی جائے گی ۔ جنگ خندق میں مسلمانوں نے بنی مخزوم کے ایک مرد کو خندق کے اندر قتل کر دیا اور اس کی میت کو اٹھا لیا ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا ہم اس کی قیمت لے سکتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا

”لاحاجة لنا بجسده ولاثمنه فشأنکم به فخلی بینه و بینهم“ [۱۸۷]

”ہمیں اس کے جسم اور قیمت کی کوئی ضرورت نہیں تم ایسی چیزوں سے بلاتر ہو دشمن کو یہ لاش واپس کر دو“۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حالت جنگ سے متعلق متفرق احکام کو بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ دوران جنگ دشمن سے صرف دشمنی کا رابطہ ہی نہیں ہو گا بلکہ اسلامی قانون کی رو سے دوستی اور جنگ بندی کے لیے مذاکرات کی غرض سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی قانون کی رو سے واضح طور پر دشمن کے سفراء کو اس ضمن میں امان Immunity حاصل ہے[۱۸۸]۔ کیونکہ اس قسم کے رابطوں کے ذریعے ہی قیدیوں کا تبادلہ ممکن ہے۔ نیز تاجروں وغیرہ اور تجارت کی آسانی کے لیے بھی دوران جنگ غیر جنگی رابطے قائم کئے جا سکتے ہیں[۱۸۹]۔

4.13) جنگ بندی

جنگ بندی کی اسلامی قانون کے مطابق درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

i) متحارب فوجیں بغیر کسی معاہدے یا مدت کو طے کئے جنگیں روک دیں۔ جنگ بدر، احد اور خندق اس قسم کی مثالیں ہیں۔

ii) غیر مسلم فوجیں یعنی ان کے سربراہ اور کمانڈر اسلام قبول کر لیں۔ اس کا ضروری مطلب یہ نہیں کہ یہ افواج اپنے علاقے کو اسلامی مملکت میں ضم کر دیں۔ غسان، بحرین اور عمان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مراسلات اسی نوعیت کی تھی[۱۹۰]۔

iii) دشمن کی شکست اور دشمن کے علاقے پر اسلامی ریاست کی عملداری، مکہ اور خیبر کی فتوحات اس قسم کی مثالیں ہیں۔

iv) دشمن کی طرف سے مسلمان ریاست کی اطاعت کو قبول کر لینا جیسا کہ نجران وغیرہ کے حکمرانوں نے کیا۔

v) دشمن باقاعدہ معاهدہ کے ذریعے جنگ بندکرے جس میں متحارب قوتوں کو اپنی آزادی برقرار رکھنے کی اجازت ہو۔

جنگ بندی کے معاہدات کی نوعیت

جنگ بندی کے معاہدات کی صورت میں نہ صرف یہ کہ جنگ بند ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات یہ معاہدات مستقبل میں دوستی باہمی توازن اور اچھے دوستوں کے سے رویے کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ غیر معینہ مدت کی دوستی کے معاہدات کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہیں۔ اکثر فقہاء کے نزدیک دس سال سے زیادہ مدت کے لیے دوستی کے معاہدات درست نہیں جب کہ السھیلی کہتے ہیں کہ حجازی فقہاء کے نزدیک دوستی کے مستقل معاہدات کئے جا سکتے ہیں[۱۹۱]۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا موقف مستقل دوستی کے معاہدوں کی مشروعیت کے حق میں ظاہر ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی نے بھی موادعة مؤبدة کی اصطلاح استعمال کی ہے جس کے معنی بھی غیر معینہ مدت کا امن معاهدہ ہے۔جنگ بندی کے اثرات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ جنگ بندی کے معاہدات کی صورت میں جس وجہ سے جنگ شروع ہو وہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ جنگ کے دوران کئے جانے والے اعمال رک جاتے ہیں۔ جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور جنگ کی وجہ سے جو معاہدات معطل ہو جاتے ہیں۔ جنگ بندی کے معاہدات کی وجہ سے وہ معاہدات دوبارہ نافذ العمل ہو جاتے ہیں[۱۹۲]۔

5۔ بین الاقوامی اسلامی قانون میں غیر جانبداری کے قواعد و ضوابط

ریاستوں کے بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانبداری کا تصور ریاستوں کے وجود سے بھی قدیم

ہے۔ مسلمان فقہاء نے جنگ و صلح کے قانون کے ذکر کے ذیل میں اس کا ذکر کیا ہے۔ غیر جانبداری سے متعلق اسلامی قواعد کی ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جو تفصیل پیش کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

5.1) غیر جانبداری کے لیے اسلامی قانون کی اصطلاح

غیر جانبداری کی اسلامی اصطلاح کے بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دلچسپ معلومات دی ہیں وہ واضح کرتے ہیں کہ جدید عربی میں غیر جانبداری Neuterality کے لیے ''حیادۃ'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جب کہ قبل از اسلام اور صدر اسلام میں عربوں نے اس کے لیے اعتزال کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ جب کہ اب یہ اصطلاح معتزلہ فرق کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔ جنھوں نے اپنے آپ کو سنی اور شیعہ مکاتب فکر سے الگ کر لیا تھا۔ معتزلہ نے اس اصطلاح کو اپنی غیر جانبداری ظاہر کرنے کے لیے اختیار کیا تھا کہ وہ خارجی اور سنیوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہیں۔ اور ان کے معاملات میں غیر جانبدار Neutral ہیں۔ بعد میں یہ اصطلاح معتزلہ کے لیے نام کی شکل اختیار کر گئی(۱۹۳)۔

5.2) عربوں کے ہاں غیر جانبداری کی تاریخ

غیر جانبداری کا تصور عربوں کے ہاں قدیم ترین ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول 251 ق۔م میں شام کے غسانی شہزادے اور بیزنطینی شہنشاہ Decius کے درمیان غیر جانبداری کا معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کا سبب یہ تھا کہ شہنشاہ کو خطرہ تھا کہ کہیں غسانی ایرانیوں کے حلیف نہ بن جائیں تو اس لیے اس نے غسانیوں سے اس بات کا معاہدہ کر لیا کہ ایرانیوں اور رومیوں کی کشمکش میں وہ غیر جانبدار رہیں گے(۱۹۴)۔

بعثوث کی چالیس سالہ جنگ میں جو بنوبکر اور بنو تغلب کے درمیان بنو تغلب کے سردار کے خون کے مطالبہ پر شروع ہوئی تھی بنو بکر کے کئی قبائل نے نہ بنو تغلب کا ساتھ دیا اور نہ ہی بنو بکر کا اور اپنے آپ کو غیر جانبدار Neutral رکھا۔ اس طرح بنو تغلب کے کئی قبائل نے بھی اپنے آپ کو غیر جانبدار رکھا(۱۹۵)۔

رسول اللہ ﷺ کے جد امجد قصّی کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی مقامی قبائل بھی اس کشمکش میں فریق بن گئے صرف دو قبائل غیر جانبدار رہے اور کسی کے ساتھی نہ بنے۔ ابن ہشام کے الفاظ میں:

"لم یکونوا مع واحد من الفریقین"(۱۹۶)

''وہ کسی بھی فریق کے ساتھ نہ تھے۔''

ابن اسحٰق روایت کرتے ہیں کہ جنگ موتہ میں کئی قبائل نے بیزنطینیوں کا ساتھ دیا اور کئی قبائل نے اپنے آپ کو غیر جانبدار (اعتزلوا) کر لیا(۱۹۷)۔

5.3) غیر جانبداری سے متعلق قرآن و سنت کی تعلیمات

قرآن پاک میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ مشرکین میں سے وہ قبائل جنھوں نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ میں اپنے آپ کو غیر جانبدار رکھا اور مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد نہ کی ان کے ساتھ کئے گئے معاہدات کو پورا کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمّوْا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾(۱۹۸)

(سوائے ان مشرکوں کے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے کوئی کمی نہ کی اور نہ ہی تمھارے خلاف کسی کی مدد کی۔ پس ان کے ساتھ معاہدات مقررہ مدت تک مکمل کرو بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے)

اسی طرح قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

﴿لا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ إِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ أَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلىٰ إِخرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الظّٰالِمُوْنَ﴾(۱۹۹)

(اللہ تعالیٰ تمھیں منع نہیں فرماتے کہ تم ان لوگوں سے جنھوں نے تمھارے ساتھ دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ ہی تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا۔ نیکی کرو اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اللہ تمھیں منع کرتا ہے ان لوگوں سے جنھوں نے تمھارے سے دین میں جھگڑا کیا اور تمھیں گھروں سے نکالا اور تمھیں دربدر کرنے کی کوشش کی۔ کہ تم ان پر انحصار کرو۔ جو کوئی ان پر انحصار کریں گے تو وہ ظالم لوگ ہوں گے)

ان آیات کی رو سے جو لوگ مسلمانوں اور مخالفین اسلام کے تنازعہ میں غیر جانبدار رہیں اور

مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد نہ کریں ان سے معاہدات کرنا درست ہے۔

سورۃ النساء میں ارشاد ہے؛

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ إِلٰى قَومٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ أَوْ جَاءُ وكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُم أَن يّقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ فَإِنْ اعتَزلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا﴾ (۲۰۰)

(سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمھارا معاھدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے میں تنگ دل ہیں اور اگر اللہ چاھتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ تعالی نے تمہارے لیے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی۔)

ان آیات میں تو اصطلاح اعتزال بھی استعمال کی گئی ہے۔

سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی غیر جانبداری سے متعلق متعدد مثالیں موجود ہیں۔ بنو نضیر کے جھگڑے میں بنو قریظہ کی غیر جانبداری کا ذکر ہو چکا ہے اسی طرح صلح حدیبیہ کے معاملہ میں بھی غیر جانبداری کی مثال بیان کی جا چکی ہے۔ مدعیان نبوت کے خلاف جہاد میں بھی کئی قبائل نے اپنے آپ کو غیر جانبدار رکھا۔ غیر جانبداری سے متعلق کئی معاہدات بھی ملتے ہیں۔ ۲ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے بنو درحمہ کے ساتھ ایک معاھدہ کیا تھا۔ جس میں طے کیا تھا کہ بنو درحمہ مسلمانوں اور ان کے مخالفین کے معاملہ میں غیر جانبدار رہیں گے اور کسی کی مدد نہیں کریں گے(۲۰۱)۔ اسی طرح بنو غفار اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاھدہ ہوا تھا کہ مذہبی جنگ کی صورت میں وہ غیر جانبدار رہیں گے۔ ۵ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے بنو عدی کے ساتھ غیر جانبداری کا معاھدہ فرمایا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے غیر جانبداری سے متعلق بین الاقوامی اسلامی قانون کے قواعد بیان کرتے ہوئے اس کی اصطلاح، اس کی قبل از اسلام تاریخ اور قرآن وسنت سے اس کی مشروعیت کی مثالوں کے ساتھ وضاحت کی ہے نیز غیرجانبداری پر مشتمل اہم معاہدات کو اپنی تحریروں میں واضح کیا ہے جن سے غیر جانبداری کے متعلق اسلامی قانون کی وضاحت ہوتی ہے(۲۰۲)۔

خلاصۃ القول

مختصراً یہ کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نزدیک بین الاقوامی اسلامی قانون سے مراد فقہ اسلامی کے وہ ضابطے ہیں جن پر اسلامی ریاستیں بین الاقوامی امور کو طے کرتے ہوئے عمل کرنے کی پابند ہیں۔ یہ ضابطے فقہ اسلامی میں السیر کے عنوان کے تحت مدون کئے گئے مسلمان فقہاء نے بین الاقوامی اسلامی قانون پر یورپ سے کئی صدیاں پیشتر کثیر تعداد میں کتابیں تالیف کیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بین الاقوامی اسلامی قانون کو حالت امن، حالت جنگ اور حالت غیر جانبداری کے عنوانات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انہوں نے حالت امن کے جو قواعد پیش کئے ان میں زیر بحث آنے والے موضوعات میں ریاستوں کی آزادی و خود مختاری، ان کا وجود ، ان کی ملکیت، ان کا دائرہ کار اور ان کے درمیان سفارتی تعلقات شامل ہیں۔

حالت جنگ کے قواعد و ضوابط پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جن باتوں کو موضوع تحریر بنایاہے۔ ان میں جنگ کی تعریف اس کی نوعیت و مشروعیت، دشمن کی اقسام وتقسیم، اعلان جنگ، بین الاقوامی معاھدات، جنگی قیدی، دورانِ جنگ مباح اور ممنوعہ افعال اور جنگوں کے خاتمے اور اثرات سے متعلق قواعد و ضوابط شامل ہیں۔

غیر جانبداری سے متعلق اسلامی قوانین کی قرآن و سنت اور تاریخی شواھد سے وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان صورتوں کی نشاندہی کی ہے جن میں غیر جانبداری پر مشتمل رویہ قبول کیا جا سکتا ہے۔

6-حواشی و حوالہ جات

۱۔ Al-Ghunaimi Muhammad Talat, "**The Muslim Conception of International Law and Western Approach**", (Martinus Nijoff Hauge 1968,) P-95

۲۔ Dr.Hamidullah Muhammad,"**The Muslim Conduct of State**",(Sh. Muhammad Ashraf, Publishers Lahore 1996), P-3

۳۔ Hamidullah, Ibid, P.2-3

۴۔ Hamidullah, Ibid, P.4, Al Ghunuaimi, Ibid, P.95

۵۔ نجیب الارمنازی، **الشرع الدولی فی الإسلام**، (مطبعۃ ابن زیدون ۱۹۳۰) ص۴۴

۶۔ Al Ghunaimi, Ibid, P.96

۷۔ Dr. Hamidullah, ibid, P.9

۸۔ ابن منظور الافریقی، **لسان العرب،** (طبعة جدیدة ملونه، داراحیاء التراث العربی۱۹۹۶ء)، مادہ س۔ی۔ر۔ص454/6

۹۔ ابن ہشام (محمد بن عبدالملک بن ہشام) (م۲۱۳ھ/۸۲۷ء) **السیرة النبویه** (دار الجیل بیروت)، ص:۹۹۲۔

۱۰۔ ابن حبیب، **کتاب المحبر**، (دار نشر الکتب الاسلامیۃ، لاہور)، ص ۲۶۵۔

۱۱۔ احمد بن حنبل، **المسند**، حدیث نمبر ۱۰۵۵

۱۲۔ Hamidullah **"Muslim Conduct of State"**, P.11

۱۳۔ السرخسی، **کتاب المبسوط** (مطبعۃ السعادۃ، مصر۱۳۲۴ھ) ص ۲/۱۰

۱۴۔ Hamidullah **"Muslim Conduct of State"**, P.12

۱۵۔ ابو ھیف (علی صادق)، **القانون الدولی العام**، (طبعۃ ۱۲ منشاۃ المعارف، الاسکندریہ ۱۷۷۵)، ص ۱۸

۱۶۔ حمید اللہ محمد، **سلطنتوں کے باہمی برتاؤ کا دستور العمل یعنی قانون بین الممالک کے اصول اورنظیریں** (مکتبہ ابراہیمۃ حیدر آباد دکن ۱۳۴۶ھ) ص، ۸۹

۱۷۔ Geory Sccella, **"Precis de droit des gens"** (Paris 1975) P.20

۱۸۔ محمود احمد غازی، **خطبات بہاولپور۲، اسلام کا قانون بین الممالک** (اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۹۹۷)، ص ۴۷۔

۱۹۔ Hamidullah, Ibid, P.3

۲۰۔ Hamidullah **"Muslim Conduct of State"**, P.3

۲۱۔ Muhammad bin Hassan Al Shibani, (کتاب السیر الصغیر)**"The Shorter Book on Muslim International Law** " Edited, tnaslated and amended by Mehmood Ahmad Ghazi, (Islamic Research Institute, Islamabad 1998,) P.1 (Introduction)

۲۲۔ Weissbery, Gerenter, "**The International Status of the United Nations"**, New York and London 1961, P.21-23

۲۳۔ Hamidullah,"**The Muslim Conduct of State**", P.13-14

۲۴۔ Hamidullah, Ibid, P.15

۲۵۔ البقرۃ، ۲۰۰۔۲۰۲

۲۶۔ Hamidullah, Ibid, P.16-17

۲۷۔ Redslob, **"Histoiere des Grands Principdue droit des Gens"**, P.79

۲۸۔ Hamidullah, Ibid, P.47

۲۹۔ Hamidullah, Ibid, P.47-48

۳۰۔ John A. Wilson, "**The Burden of Egypt, an interpretation of Ancient Egyption Culture**", (Chicage University of Chicago Press and Cambridge University Press, London, 1951) P.235

۳۱. **النمل**، ۳۵

۳۲. **النمل**، ۳۷

۳۳۔ بسیونی محمد شریف، حماية الدبلو ماسيين فی ظل القانون الإسلامی، المترجم محمد عبد العليم مرسی، مجلة كلية العلوم الإجتماعية (جامعة الإمام محمد بن سعود، (المملكة العربية السعودية) العدد السادس، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴م، ص ۲۰۷

۳۴۔ Rogner Numeline, **"The Begining of Diplomacy, A Socialogical Study of International Relations"** (Oxford University Press, London 1950) P.296-297

۳۵۔ Hamidullah Muhammad, **"Muslim Conduct of State"**, P.49

۳۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یونانیوں کے بین الاقوامی قانون کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے لیے قارئین کی توجہ C.Phillipson کی کتاب **The International Law and Customs of Ancient Greece and Rome** کی طرف مبذول کروائی ہے۔

۳۷۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی**، دار الاشاعت کراچی ۱۹۸۴ء، ص ۲۹۔

۳۸۔ Hamidullah,"**Muslim Conduct of State"** , P.50

۳۹۔ Pleny, **"Natural History"** Translated by Rackham (London 1949) P2/259.

۴۰۔ **یاقوت** (شھاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ ت ۶۲۶ھ/۱۲۲۸م) **معجم البلدان**، (دار بيروت، للطباعة والنشر، بيروت ۱۹۵۱)، ص ۴/۹۷۔

۴۱۔ Hamidullah, Ibid, P.52.

۴۲۔ ابن عبدالبرؒ (ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد) **الاستيعاب فی معرفة الاصحاب**، (محققين عادل محمد البجاوی، مكتبة نهضة مصر، قاهره)، ص۳/۱۱۴۵

۴۳۔ **اليعقوبی** (احمد بن أبی یعقوب)، **تاريخ يعقوبی**، (بیروت ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) ص ۱/۲۴۳

۴۴۔ مسعودی (ابو الحسن علی بن الحسین بن علی)، مروج الذهب و معادن الجوهر، (الجزائر ۱۹۸۹ء)، ص ۲/۶۹

۴۵۔ ابن ہشام(محمد بن عبد الملک بن ہشام)(م۲۱۳ھ/۸۲۷ء) **السيرة النبويه** (دارالجيل بيروت)، ص ۲/۶۴، السہیلی (عبدالرحمٰن) **الروض الأنف فی شرح السيرة النبوية لابن هشام**، (تحقیق عبدالرحمٰن الوکیل) دارالکتب الحدیث، ۱۹۶۸، ص ۱/۵

۴۶۔ السرخسی (شمس الدین محمد بن احمد) ''**کتاب المبسوط**'' ص ۹۲/۱۰۔

۴۷۔ Hamidullah, Ibid, P.59-60.

۴۸. الروم؛ ۴۷

۴۹۔ حمید اللہ محمد، ***رسول اللہﷺ کی سیاسی زندگی***، ص؛۲۴

۵۰۔ حمید اللہ محمد، م ن، ص؛۲۹

۵۱. سباء: ۲۸

۵۲. الاعراف: ۱۵۸

۵۳۔ حمید اللہ، م ن، ص؛۳۰

۵۴۔ Hamidullah Muhammad, **"The Life and work of the Prophet of Islam"** Translation by Dr Mehmood Ahmed Ghazi, (Islamic Research Institure, 1998, Islamabad) P.1/20

۵۵۔ حمید اللہ، ***رسول اللہﷺ کی سیاسی زندگی***، ص؛۳۰۔۳۴

۵۶۔ ابن ہشام ,**السیرة النبویه** ، ص؛۱/۱۶۸

۵۷۔ ابن سید الناس (فتح الدین أبو الفتح محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن یحیٰ) (م ۷۳۴ھ/۱۳۳۳ء) **عیون الأثر فی فنون المغازی و الشمائل والسیر** (ط۔۲ دارالجیل، بیروت ۱۹۷۴ء) ص؛ ۱/۵۲

۵۸۔ حمید اللہ، رسول اللہﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۳۰۔۳۴

۵۹۔ Hamidullah, **"Muslim Conduct of State"**, P.72

۶۰۔ Hamidullah, Ibid, P.18-23

۶۱۔ Hamidullah, Ibid, P.75

۶۲. التوبة:6

۶۳۔ Hamidullah, Ibid, P.76

۶۴۔ Hamidullah, Ibid, P.62

۶۵۔ الجصاص، **احکام القرآن**، سورہ نمبر۳ کی آیت نمبر۱۰۴،

۶۶۔ حمید اللہ محمد، **توحید الأحکام و تدوین علی أیدی الائمة زید بن علی و ابو حنیفة و مالک و الشافعی**، الامان رباط، عدد XV/۱۰، اگست ۱۹۴۷ء، ص ۹۷۔۱۱۳

۶۷۔ Hamidullah, 'Ibid', P.27

۶۸۔ Hamidullah, "Ibid", P.80

۶۹۔ حمید اللہ محمد، ***رسول اللہﷺ کی سیاسی زندگی***، (دو شاہاں در اقلیمے)، ص ۳۳۹۔

۷۰۔ ابن خلدون، **المقدمة**، اردو ترجمہ راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی کراچی 1986ص450/1 ۔

۷۱۔ Hamidullah, Ibid, P.82

۷۲۔ السرخسی، **شرح السیر الکبیر**،لمحمد بن الحسن الشیبانی (تحقیق صلاح الدین المنجد، طبعة مصر1958ء)
ط ا . مطبعة دائرة المعارف النظامیه بحیدرآباد1335ه ، ص، ۴/ ۱۷

۷۳۔ Hamidullah, "Ibid" P.83,بحوالہ Aristatle, Politics, Book-1, P.4-7

۷۴۔ Phillipson, **International Law and Custom**, P.1/104

۷۵۔ Hamidullah, **Muslim Conduct of State**, P.83

۷۶۔ ابن ہشام، **السیرة النبویة**، ص ۴/۲۵۴

۷۷۔ ابن ہشام، **السیرة النبویه** (تحقیق مصطفی السّقا، ابراهیم الابیاری، عبدالحفیظ شلبی) دار احیاء التراث العربی ۱۹۹۵) ص ۲/۱۱۵۔

۷۸۔ السرخسی، **شرح السیر الکبیر**، ص ۴/۲۵۴

۷۹۔ الدبوسی، کتاب الاسرار بحواله Hamidullah, "Ibid" P.88

۸۰۔ Hamidullah, Ibid, P.88

۸۱۔ Hamidullah, Ibid, P.89-92

۸۲۔ Hamidullah, Ibid, P.93

۸۳۔ الترمذی ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورة، الجامع الصحیح، (مع عارضة الأحوذی بشرح صحیح الترمذی)، (داراحیاء التراث العربی، بیروت) ، کتاب النکاح، باب نمبر۱۴، حدیث نمبر۱۱۰۳ص۱۳/۵

۸۴۔ السرخسی، **المبسوط**، ص ۱۰/۹۳

۸۵۔ الترمذی ، **الجامع**، کتاب الفتن ، باب نمبر۷حدیث نمبر۲۱۷،ص۹/ ۱۰

۸۶۔ الماوردی(ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی)،**کتاب الاحکام السلطانیة**، دارالفکر بیروت ص:۱۸

۸۷۔ ابن خلدون، **المقدمه**، ص۱/۴۵۶

۸۸۔ الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، طبعة2، دار الکتاب العربی ، بیروت ۱۹۷۴ء، ص ۶/۱۸۹۔۱۹۰

۸۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔ Hamidullah, Ibid, P.97

۹۰۔ ابو یوسف(یعقوب بن ابراہیم م۱۸۳ھ) ،**کتاب الخراج**،(طبعة اعتمادا علی فسخة مخطوطة فی الخزانة التیموریة، بولاق ۱۳۰۲ھ ، ص ۵۷

۹۱۔ ابو یوسف، **الخراج**، ص ۷۸

۹۲۔ ابن کثیر(ابو الفدا اسماعیل بن کثیر)، **البدایة والنهایة**(ط۱ مکتبۃ المعارف بیروت۱۹۶۶،ص ۸/۴۱

۹۳۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: Hamidullah, Ibid, P103-109

۹۴۔ **الحجرات**؛ ۱۰

۹۵۔ ابو یوسف، م۔ن، ص ۷۱، السرخسی، **شرح السیر الکبیر**، ص ۴/۵۲

۹٦۔ السرخسی، م۔ن، ص ۴/۱۱۵، الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ۷/۱۱۰

۹۷۔ مسلم بن حجاج ، **الجامع الصحیح بمع شرح النّبووی**(داراحیاء التراث العربی. لبنان، ۱۹۷۲ء)، **کتاب الجهاد والسیر، باب تأمیر الأمام الأمراء علی البعوث**،حدیث نمبر ۳۲٦۱:ص۱۲/۳۸

۹۸۔ السرخسی، **المبسوط**؛ ۱۰/۹۵،شرح السیر الکبیر؛ ۴/۱۲۸۔۱۳۰

۹۹۔ السرخسی، **المبسوط**؛ ۱۰/۹۵, Hamidullah, Ibid,P.120, 130

۱۰۰۔ السرخسی، م۔ن، ۱۰/۹۸

۱۰۱۔ Hamidullah, Ibid, P.122-129

۱۰۲۔ السرخسی، **شرح السیر الکبیر** ۴/۲۰۱۔۲۰۲

۱۰۳۔ Hamidullah, Ibid, P.129

۱۰۴۔ السرخسی، م۔ن، ۴/۱٦۰۔۱٦۳، السرخسی، **المبسوط** ۱۰/۸۹

۱۰۵۔ العسقلانی، **المواهب اللّدنیةبالمنهج المحمد یة بمع شرح العلامة الزرقانی**، (دارالکتب العلمیة، بیروت) ص۵/۱۱۳،

۱۰٦۔ السرخسی، م۔ن، ۴/۲۲٦۔۲۲۷

۱۰۷۔ السرخسی، **المبسوط**، ۱۰/۵۵۔۹۹

۱۰۸۔ السرخسی، م۔ن، ۱۴/۷۳

۱۰۹۔ Hamidullah, "**Muslim Conduct of State**", P.135-138

۱۱۰۔ Hamidullah, Ibid, P.139-140

۱۱۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔ مسلم، **الصحیح**، کتاب الجهاد والسیر، باب کتاب النبی ﷺ **الی هرقل یدعوه إلی الإسلام**، حدیث نمبر ۱۷۷۳، ص ٦/۱۳۹

۱۱۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستئذان، باب تسلیم الکبیر علی الکثیر ، حدیث نمبر۵۸۷۷، ص۵/۲۳۰۱

۱۱۳۔ السرخسی، **المبسوط**، ۱۰/۹۲

۱۱۴۔ احمد بن حنبل، **المسند**، حدیث نمبر ۳۳٦۱، ص ۲/۵۱

۱۱۵۔ نجیب الارمنازی، **الشرع الدولی فی الإسلام**، ص ۱٦۵۔۱٦٦

۱۱٦۔ ابن ہشام، **السیرة النبویة**، ۲/۱٦۰

۱۱۷۔ ابو یوسف، **الخراج**، ص ۲۰۴

۱۱۸ Hamidullah, Ibid, P 162

۱۱۹۔ البقره؛ ۱۹۴

۱۲۰۔ الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ص ۷/۹۷

۱۲۱۔ التوبة؛ ۱۲۲

۱۲۲۔ ابو یوسف، **الخراج**، ص ۱۹۷

۱۲۳۔ الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ص ۷/۱۰۹۔۱۱۰

۱۲۴. **الانفال؛ ٦١**

۱۲۵۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجهاد والسیر، باب لا تمنوا لقاء العدو، حدیث نمبر ۲۸٦۳، ص ۳/۱۱۰۲

۱۲٦۔ حسن بن عبداللہ، **آثارالأول فی ترتیب الدول**، (دار الجیل بیروت ۱۹۸۹ء) ص ۳۲۸

۱۲۷. **البقره؛ ۱۹۰. ۱۹۵**

۱۲۸۔ Hamidullah Muhammad, Ibid, P.174

۱۲۹۔ الماوردی؛ **الأحکام السلطانیه**؛ ص ۵۵

۱۳۰۔ السرخسی؛ **المبسوط**؛ ص ۱۰/۱۲۷؛ الماوردی؛ م۔ن؛ ٦۰۔٦۱

۱۳۱. **الحجرات: ۹. ۱۰**

۱۳۲۔ الماوردی؛ **الاحکام السلطانیة**؛ ص ۵۸

۱۳۳۔ الماوردی؛ م۔ن؛ ٦۲۔٦۳

۱۳۴۔ السرخسی؛ **المبسوط**؛ ص ۱/۱۲۷۔ الماوردی؛ م۔ن؛ ص ٦۰۔٦۱

۱۳۵۔ Hamidullah,"**Muslim Conduct of State**", P.188-189

۱۳٦. **المائده: ۳۳**

۱۳۷۔ الماوردی؛ م۔ن؛ ص ٦۲۔٦۳

۱۳۸۔ السرخسی؛ **المبسوط** ص ۹/۲۰۳۔۲۰۴

۱۳۹۔ الماوردی؛ م۔ن۔٦٦۔٦۸ Hamidullah, Ibid, P.190

۱۴۰۔ السرخسی؛ **شرح السیر الکبیر**؛ ص ۱/۵۷۔۵۸

۱۴۱۔ الماوردی؛ م،ن ٦۲۔٦۴؛ Hamidullah, Ibid, P.193

۱۴۲۔ دیکھئے؛ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجهاد، باب الجاسوس حدیث نمبر ۲۸۴۵، ص ۳/۱۰۹۵
مسلم، **الصحیح**، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل اهل بدر، حدیث نمبر ۲۹۹۴، ص ۴/۱۹۴۱

۱۴۳۔ Hamidullah, Ibid, P.196,

۱۴۴۔ السرخسی؛ **المبسوط**؛ ص ۱۰/۹۲

۱۴۵۔ ابن سعد؛ **الطبقات**؛ ص ۱/۱؛ ۱۴۸۔۱۵۰

۱۴٦۔ السرخسی؛ **شرح السیر الکبیر**؛ص ۳/۱۸۰۔۲۲۹

۱۴۷۔ السرخسی؛ **شرح السیرالکبیر**؛ ص ۱/۲۰۰۔۲۰۵۔ Hamidullah, Ibid, P.199,

۱۴۸۔ ابن ہشام؛ م۔ن؛ص ۳/۳۴۵، Hamidullah,Ibid, P.200-201

۱۴۹۔ السرخسی؛ **المبسوط**؛ ص ۱۰/۹۱۔۹۲؛ الکاسانی؛ بدائع الصنائع؛ ٦/۱۰۹

۱۵۰۔ الکاسانی، م۔ن، ص ۲/۱۰۷

۱۵۱۔ السرخسی، **شرح السیر الکبیر**، ص ۴/۷۸

۱۵۲۔ السرخسی، **شرح السیر الکبیر**، ص ۴/۳۶

۱۵۳۔ Hamidullah, Ibid, P.207

۱۵۴۔ السرخسی، م۔ن، ص۱/۱۸۹

۱۵۵۔ السرخسی، **المبسوط**، ۱۰/۳۹

۱۵۶۔ احمد بن حنبل، **المسند**، حدیث نمبر ۹۹۱، ص ۱/۲۵۹، ابن ماجة،**السنن**، کتاب الدیات، باب المسلمون تتکافا دماء هم، حدیث نمبر ۲۶۸۳، ص ۲/۸۹۵

۱۵۷۔ الشیرازی (اسحاق ابراہیم بن علی م۴۲۶ھ)، **المهذب**، (مطبة مصطفى البابی ، الحلبی بمصر ۱۳۴۳ھ)، ص۲/۲۵۱

۱۵۸۔ Hamidullah, Ibid, P.210-211

۱۵۹۔ ابو یوسف، **الخراج**، ص ۱۲۱

۱۶۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔ الطبری، م۔ن، ص ۹/۱۷۱

۱۶۱۔ ابن رشد(ابوالولید محمد بن احمد القرطبی م۵۲۰ھ)، **بدایة المجتهدونهایة المقتصد** ، المکتبۃ العلمیۃ لاھور، ۱۹۷۶ھ، ص۱/۲۷۹

۱۶۲۔ ابن ہشام ، م ۔ن۔ص۲/۲۵۳

۱۶۳۔ ابو یوسف، **الخراج**، ص ۲۱۴

۱۶۴۔ دیکھیں۔ Hamidullah, Ibid, P.219-221.

۱۶۵۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجهاد، باب الحرب خدعة، حدیث نمبر ۲۸۶۶، ص ۳/۱۱۰۲

۱۶۶۔ السرخسی، **شرح السیر الکبیر**، ص ۱/۶۹

۱۶۷۔ ابو یعلیٰ، **الاحکام السلطانیه**، (مصر ۱۳۵۷ھ)، ص ۱۱۶

۱۶۸۔ الانفال: ۶۰

۱۶۹۔ السرخسی،م۔ن، ص ۳/۲۱۲

۱۷۰۔ Hamidullah, Ibid, P.226

۱۷۱۔ المقری (احمد بن محمد القری التلمسانی م۱۰۴۴ھ)، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب و ذکر و زیرها لسان الدین ابن الخطیب تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، مطبعۃ السعادۃ، مصر۱۹۴۹ء) ، ص ۲/۲۵۴

۱۷۲۔ Hamidullah, Ibid, P.229

۱۷۳۔ ابن عساکر (عبداللہ بن الحسن بن عساکر م۶۴۵ھ) ، **تاریخ دمشق**(دمشق ۱۲۴۹م) ، ص ۱/۹۶

۱۷۴۔ ابن ہشام ، السیرہ النبویه ،ص ۲۰۷ ، ابن سعد، **الطبقات الکبری**، ص ۲/۱، ۱۱۷۔۱۱۸

۱۷۵۔ Hamidullah, Ibid, P.229-232

۱۷۶۔ الترمزی ، **الجامع الصحیح**، کتاب اللباس، باب العَمَائِمِ عَلَی القَلَانس نمبر۴۲، حدیث نمبر۱۷۸۹، ص۲۷۸/۷

۱۷۷۔ Hamidullah, Ibid, P.275

۱۷۸۔ **الاعراف: ۱۲۸**

۱۷۹۔ دیکھئے ابو یوسف'**الخراج**' ص ۳۹۔۶۱

۱۸۰۔ **الانفال: ۴۱**

۱۸۱۔ ابویوسف' **الخراج**'ص ۱۸' الکاسانی' **بدائع الصنائع**' ص ۱۱۶/۷

۱۸۲۔ دیکھئے Hamidullah, Ibid, P.237-251

۱۸۳۔مسلم بن حجاج ، **الصحیح** ، **کتاب الجهاد والسیر، باب النّساء الغازیات**،ص۱۹۰/۱۲

۱۸۴۔ الطبری'**تاریخ الامم والملوک**، دارالقلم بیروت، ص۴۹/۲

۱۸۵۔ الطبری' م۔ن' ص۱۳۴/۲

۱۸۶۔ السرخسی' **شرح السیر الکبیر**' ص ۲۰۶/۳

۱۸۷۔ الطبری' م۔ن' ص۴۹/۲

۱۸۸۔ السرخسی' شرح السیر الکبیر' **۳۲۰۔۳۲۲' المبسوط**' ص ۹۲/۱۰

۱۸۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیں Hamidullah, Ibid, P.255-262

۱۹۰۔ ان خطوط کی نصوص کے لیے دیکھیں' محمد حمید اللہ' **الوثائق السیاسیة**،ص۳۷ ، ۵۶ ، ۷۶

۱۹۱۔ السهیلی' **الروض الانف**' ص ۲۲۹/۲

۱۹۲۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں۔ Hamidullah, Ibid, P.266-274

۱۹۳۔ Hamidullah, Ibid, P.282-283

۱۹۴۔ ابن حبیب' **کتاب المحبر**' ص ۳۷۱۔۳۷۲

۱۹۵۔ Hamidullah, Ibid, P.284

۱۹۶۔ ابن ہشام' م۔ن' ص ۸۳/۱۔۸۴

۱۹۷۔ ابن ہشام' م۔ن' ص ۹۲' جنگ موتہ

۱۹۸۔ **التوبہ: ۴**

۱۹۹۔ **الممتحنة: ۸۔۹**

۲۰۰۔ **النّساء: ۹۰**

۲۰۱۔ ابن سعد' **الطبقات**؛ ۲/۱۔۳

۲۰۲۔ Hamidullah, Ibid, P.295-298